معاشی ناہمواریوں کا اسلامی علاج

نعیم صدیقی

یہ تقریر جماعت اسلامی (پاکستان) کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۶، ۷، ۸، مئی ۱۹۴۹ء میں بطور خطاب عام پیش کی گئی تھی عنوان کے تقاضے جتنے وسیع تھے۔ تقریر کا وقت اتنا ہی کم تھا، اس وجہ سے بعض حصص کو ساقط کرنا پڑا اور بعض تفصیل طلب مواقع پر بالجبر اجمال سے کام لیا گیا بہرحال تقریر کو مرتب کرتے ہوئے اس کے تشنہ پہلوؤں کی تکمیل اب کر دی گئی ہے۔ (ن۔ ص)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ!

پاکستان میں برطانوی اقتدار اپنے ترکے میں جس معاشی و اقتصادی نظام کو چھوڑ کر رخصت ہوا ہے۔ وہ پوری طرح سے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ فطرت پر مبنی ہے۔ اس نظام باطل کے اوپر کڑے پہرے قائم ہیں، اس کے گرد قانون کی سنگینیں تنی ہوئی ہیں، اس کے چاروں طرف سرمایہ دارانہ روایات کے خاردار جنگلے لگے ہیں، اور اس کو لٹریچر اور تعلیم کی ایک شہر پناہ نے اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے۔ اس نظام کے جاں نثار محافظ ہمارے وہ بھائی ہیں جن کے ذاتی اور خاندانی مفاد اس کے ساتھ وابستہ ہیں، اور جن کے ذہنوں پر اس نظام کی فوقیت کا تصور انگریزی حکومت نے سالہا سال کی محنت سے مسلط کیا ہے۔

یہ اقتصادی نظام جو ہمارے سروں پر چھایا ہوا ہے، اس سے پاکستان ہی میں نہیں۔ دنیا کے ہر گوشے میں خطرناک مفاسد پیدا ہو رہے ہیں، اور انسانیت ہر جگہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہے، اس نظام کا یہ خاصہ ہے۔ کہ یہ افراد اور جماعتوں اور قوموں کو دولت پرست بناتا ہے، یہ دولت کو چند مرکزوں میں سمیٹتا اور اس کی گردش کی رفتار کو گھٹاتا ہے۔ یہ امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بناتا ہے۔ یہ معاشی ناہمواریاں پیدا کرتا ہے۔ یہ سوسائٹی کو طبقات میں بانٹ کر باہم لڑاتا ہے، یہ بین الاقوامی فضا میں جنگوں کے طوفان بپا کرتا ہے، اور طاقتور قوموں کو کمزور قوموں کی صیادی میں مبتلا کرتا ہے چنانچہ اس نظام کے تحت خدا پرستی، اخلاق، امن و سکون، اخوت و مساوات وغیرہ کے پنپنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

نظام سرمایہ داری کے مفاسد پر کسی لمبے چوڑے استدلال کی ضرورت نہیں، ہم روز اپنی آنکھوں سے اسکے کرشموں

© rasailojaraid.com

کر دیکھتے ہیں کون سا دل ہے جو اس کی ناوک انگیئوں سے چھلنی نہیں ہو رہا۔ تقویٰ کی کتنی ہی کمانیاں ہیں جو اس نظام کے ہتکھنڈوں کی قربان گاہوں پر بے محابا بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں۔ رکوع و سجود کے کتنے ہی حاصل ہیں جو اس نظام کے خداوندوں کی نذر کر دیئے جاتے ہیں۔ ایمان و اخلاق کی، اور ذہانت و فطانت کی کتنی ہی متاع ہائے گراں مایہ ہیں جو اس نظام کی منڈی سے روٹی کے چند لقمے خریدنے کے لئے ہر صبح اور ہر شام کو ہماری آنکھوں کے سامنے لٹائی جاتی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ملت اسلامیہ پاکستان کی کتنی ہی معصوم بیٹیوں کی عصمتوں کا خراج اس نظام کے خداوند اس ہر رات کی تاریکی میں وصول کر لیتے ہیں! کون اس کا حساب بتا سکتا ہے کہ حسب و نسب اور عزت و آبرو کے کتنے خزانے ہیں جو ہر دن کی روشنی میں اس نظام کے اکابر کے قدموں پر نچھاور کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک ایک سکے کی خریداری کے لئے کتنے ہی جوہر قابل ہیں جو اپنے آپ کو اس نظام کے چور بازار میں نیلامی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یہاں زندگی کرنے کے لئے انسانوں کے گلے کے گلے ہیں جو گھوڑوں اور بیلوں کا رتبہ قبول کرنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں والدین اپنی اولادوں کو سالہا سال تک پالنے پوسنے کے بعد بالکل اسی طرح لا بیچتے ہیں جس طرح گوالے اور گڈریے بھیڑ بکریاں اور گائے بھینسیں قصاب خانوں میں لا کر بیچا کرتے ہیں۔

یہ نظام از سر تا پا ایک مہلک معصیت، ایک مہذب بدمعاشی اور ایک منظم چور بازاری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت اس کو گوارا کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اور اس کے خلاف پوری دنیا میں مظلوم عناصر زور کر رہے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے چھ کروڑ باشندوں میں سے چند سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو چھوڑ کر پوری ملت اس نظام سے نجات حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہے۔

مرض کا علاج مرض سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کے مفاسد کے خلاف انسانی فکر نے جب زور کرنا شروع کیا تو کمیونزم ان مفاسد کی اصلاح کے لئے میدان میں نمودار ہوا چنانچہ دنیا کے اکثر گوشوں میں اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور خاص طور پر روس کی سرزمین نے اس نو وارد طاقت کو پورا موقع بہم پہنچایا کہ وہ اچھی طرح اپنے کمالات کا مظاہرہ کرے۔ لیکن کمیونزم سرمایہ دارانہ نظام کا جو علاج اپنے ساتھ لایا ہے وہ خود مرض سے کم نہیں۔ یہ معالج اصلاح کی ذمہ داری لینے کے بجائے انتقام کا پروگرام ساتھ لاتا ہے۔ یہ بیمار کے روگ کا علاج نہیں کرتا، بلکہ اسے اس بات کی سزا دینا چاہتا ہے کہ تو بیمار کیوں ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں جراح کا نشتر نہیں ہے۔ بلکہ قصاب کا چھرا ہے۔ کمیونزم سرمایہ داری کے خلاف چڑھے جذبات کا ایک ہجوم لے کے آتا ہے۔ اور ایک انتہا پسندی کے مقابلے میں دوسری انتہا پسندی کو ابھارتا ہے۔ اس کے پیش نظر مرض کا علاج مرض سے کرنے کی ایک مکروہ اسکیم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمیونزم کے طریق علاج میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ یہ انسان کی اصلاح اندر سے کرنے کے بجائے باہر سے اصلاح کو اس پر جبراً مسلط کرنا چاہتا ہے۔ یہ دولت مند طبقے کے افراد اور محنت پیشہ طبقے کے افراد میں جذبۂ اخوت وتعاون پیدا کرنے کے بجائے ان کو باہم لڑانا ضروری سمجھتا ہے۔ یہ معاشی ناہمواریوں کو ختم کرنے کے لئے افراد انسانی سے آزادی اور حق ملکیت یا دوسرے لفظوں میں خدا کی عطا کردہ خلافت ونیابت کے شرف کو پوری طرح چھین لینا چاہتا ہے۔ اور انسانی سوسائٹی کو ڈھور ڈنگروں کے ایک گلے کی طرح چند گڈریوں کے حوالے کر دینا چاہتا ہے۔ پھر کمیونزم ایک ملک میں اپنی معاشی اسکیم کو جاری کرنے کے لئے لازم سمجھتا ہے کہ وہاں کے نظام اجتماعی کو ایک مرتبہ پوری طرح تہ وبالا کر دے۔ اور مذہب، اخلاق معاشرت اور قانون کی ساری قدروں کو توڑ پھوڑ دے۔ پھر اس "مرغ دین" کا بیت المقدس چونکہ روس میں واقع ہے۔ لہٰذا یہ مجبور ہے کہ جس ملک وقوم کو اپنے اثر میں لے اس پر روسی امپیریلزم کو مسلط کر دے۔ ان امور کو سامنے رکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سرمایہ داری کے "شکنجہ" سے نجات پانے کے لئے کمیونزم کے "مرغ باد" کو قبول کرنا ایک خطرناک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

<u>ایک سوال</u> ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جو رجحانات کھول رہے ہیں۔ ان کی سربراہی کرنے والوں کو اب جذباتی پن سے الگ ہو کر گہرے غور وفکر سے کمیونزم کا جائزہ جائزہ لینا چاہئے۔ اور خوب اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کرنا چاہئے کہ سرمایہ داری سے نجات پانے کے لئے:

ا:- کیا ہم اپنی مسلم سوسائٹی کو افتراق اور تصادم کا لقمہ بننے دیں۔ اور دین واخلاق اور تمدن ومعاشرت کی ان ساری قدروں کو تہ وبالا ہو جانے دیں۔ جو ہماری اجتماعی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتی ہیں؟ کیا ہم مسلم اور مسلم کو روٹی کے بٹوارے پر لڑا مروانے کی اس ترغیب کو جاری رہنے دیں جو کمیونزم کی طرف سے دلائی جا رہی ہے؟ کیا یہاں مسلمان کے چھرے سے مسلمان کی گردن کٹوانے کا کوئی پروگرام ہمیں پھیلنے دینا چاہئے؟

ب:- کیا ہمیں پاکستان کی نوخیز مملکت کو اس خطرے میں ڈالنا چاہئے۔ کہ آج جب کہ اس کی قومی اقتصادیات بالکل ابتدائی درجے میں ہیں۔ اس کے ڈاک خانوں کو جلایا جائے۔ اس کی ریل گاڑیوں کو الٹا جائے۔ اس کی پٹریوں کو اکھاڑا جائے۔ اس کے پلوں کو ڈائنا مائیٹ سے اڑایا جائے۔ اور اس کے خزانوں کو لوٹا جائے؟

ج:- کیا اپنی ساری آزادی فکر وعمل کو ہم ان چند افراد کے حوالے کر دینے پر تیار ہیں جو ہم چھ کروڑ افراد کو قومی ملکیت کے کولہو کے بیل بنا کر انسانیت کے شرف سے معزول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دینا چاہتے ہیں؟

۵:۔ کیا اس جماعت کی پکار پر ہم لبیک کر سکتے ہیں جو علی الاعلان پاکستان کی سرزمین میں سرخ فوجوں کے داخلے کی خوشخبری سنا رہی ہے۔ اور ایک دردناک غلامی کا پیغام دے رہی ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ تو ایک کرخت نہیں کے سوا اس کا کوئی اور جواب ایک مسلمان قوم دے ہی نہیں سکتی۔

پھر کمیونزم کا علاج ہمارے لئے اس وجہ سے بھی ناقابل قبول ہے کہ ہم موجودہ معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے اس سے بہتر اور پاکیزہ علاج خود اپنے پاس رکھتے ہیں ہم دوسروں کی علمی امداد کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ ہمیں ساری دنیا کے لئے معالج بنایا گیا ہے ہم پورے اسلام پر ایمان لائے ہیں۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی رہنمائی کو موجب فلاح تسلیم کرتے ہیں۔ اسلام اگر نماز روزے کا دین ہے۔ تو وہ سیاسیات و معاشیات کا دین بھی ہے۔ وہ اگر مسجد میں صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ تو یقیناً بنک، کارخانے، کھیت اور بازار میں بھی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اسلام کے دین پر اگر نکاح و طلاق کے مسائل میں بھروسہ کرتے ہیں تو یقیناً سرمایہ و محنت کے مسائل بھی ہمیں اس کے اصولوں کی صحت پر یقین کامل ہے۔ اور ہونا چاہئے۔

پھر ہم اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔ کہ ہماری دستور ساز اسمبلی نے اپنی قرارداد مقاصد کے ذریعے پوری ملت پاکستان کی طرف سے یہ بات طے کر دی ہے۔ کہ اب سرزمین پاکستان میں زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح اور ہر پیچیدگی اور ناہمواری کا علاج اسلام کے ان اصولوں کے مطابق کیا جائیگا جن کے مجموعے کا نام کتاب و سنت ہے خدا کی حاکمیت اور اس کی نیابت کے مقام پر فائز ہو جانے اور امانت اقتدار کو اس کی مقررہ حدود کی پابندی میں استعمال کرنے کا اعلان کر دینے کے بعد ہم دستوری طور پر بھی اس بات کے مجاز نہیں رہے ہیں کہ اسلام کے سوا اپنی نگاہیں کسی اور طرف اٹھائیں ـــــ!

اب ہمارے سامنے زندگی کے سارے مسائل کا ایک ہی حل ہے ـــ اسلام! اسلام ہمیں ان تمام مفاسد سے بچا سکتا ہے جو سرمایہ داری اور کمیونزم میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان تمام بھلائیوں کو پوری طرح قائم کر دیتا ہے جو کسی ناقص شکل میں ان دونوں نظاموں کے اندر مخلوط ہیں۔

اسلام اور اقتصادی اصلاح اسلام چونکہ سالہا سال سے ایک نظام کی حیثیت میں برسر عمل نہیں رہا ہے۔ بلکہ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند متفرق اجزاء جن کا تعلق انفرادی زندگیوں سے تھا، لوگوں کے سامنے آسکے ہیں، اس وجہ سے یہ بدگمانی بہت پھیلتی رہی ہے کہ شاید اسلام اجتماعی مسائل میں مداخلت کا کوئی پروگرام سرے سے رکھتا ہی نہیں اور شاید کچھ لوگ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اس کو سیاسی اور معاشی نظام کی حیثیت دے رہے ہیں۔ واقعہ یہ نہیں ہے۔ سورہ حدید کی ایک آیت میں اسلام کا وہ مقصد بیان کیا گیا ہے، جس کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے، کتابیں نازل ہوئیں، معرکہ خیروشر برپا کیا گیا۔ اور جس کے لئے سیاسی قوت فراہم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:-

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

ہم نے اپنے رسولوں کو اس لئے دلیل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ اس لئے "الکتٰب" (ضابطہ) اور "المیزان" (حکمت دینی)، کو نازل کیا، کہ انسان عدل پر قائم ہو جائیں۔ اور اسی مقصد کے لئے لوہا پیدا کیا جس میں شدید (سیاسی) قوت مضمر ہے اور لوگوں کے لئے دوسرے فوائد ہیں۔

یہ آیت اپنے مفہوم میں بہت ہی صاف ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ دین کو اللہ تعالےٰ نے صرف اس لئے مرتب کیا ہے۔ اور اس لئے انبیاء کو بھیجا اور کتابوں کو نازل کیا ہے کہ وہ اپنی تبلیغی جدوجہد سے سیاسی قوت فراہم کر کے دین کے نظام اجتماعی کو برپا کریں، اور اس کے تحت انسانوں کو قسط یعنی اجتماعی عدل پر جما دیں۔ ظاہر ہے کہ عدل کا قیام صرف مسجد کی صف بندی میں مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کے سارے معاملات، کو ناہمواریوں سے ہٹا کر راستی و یکسانی پر قائم کر دینا اسلام کا نصب العین ہے۔ یہ بات تو انسانی عقل ہی میں نہیں آسکتی۔ کہ زندگی کے کسی ایک۔ یا چند شعبوں کو دوسرے شعبوں سے الگ کر کے ان میں نظام عدل قائم کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ دوسرے شعبوں میں کیسے ہی مظالم کارفرما ہیں۔ زندگی کے ایک شعبے کا بگاڑ دوسرے تمام شعبوں کو مریض بنا دیتا ہے۔ پس جس طرح کسی جسم میں کوئی حد بندی کر کے ایک طرف بیماری کی حالت برقرار رکھتے ہوئے دوسرے حصے میں صحت قائم کر دینا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح اجتماعی زندگی کے بعض شعبوں میں فساد اور ناہمواریوں کو قائم رکھ کر بعض شعبوں میں قیام قسط کا پروگرام عمل میں نہیں لایا جا سکتا۔ چنانچہ اسلام اگر قیام قسط کی ....

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پوری زندگی کے پورے مسائل میں مداخلت کرنے کا پروگرام لے کے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں سیاسی قوت کی اہمیت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے، جس کو استعمال کرنے کی ضرورت کسی سیاسی و معاشی نظام ہی کے نفاذ اور قیام میں پیش آسکتی ہے۔ اسلام جس طرح خدا اور بندے کے تعلقات میں عدل چاہتا ہے اسی طرح والدین اور اولاد، شوہر اور بیوی، حاکم اور محکوم، سرمایہ دار اور مزدور، زمیندار اور مزارع، تاجر اور گاہک کے تعلقات میں بھی راستی اور انصاف کی روح کو جاری و ساری کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کسی جزئی معاملے میں عدل نہیں چاہتا بلکہ ایک جامع نظام عدل برپا کرنے کے لئے آیا ہے۔

معاشی ناہمواریوں میں اجتماعی ہلاکت

قرآن نے ایک دوسرے موقع پر معاشی ناہمواریوں کو اقوام کی تباہی کا راز قرار دیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ "واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا[1] مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا"

ان چند الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قانون بیان فرمایا ہے کہ جب ہم کسی بستی، کسی جماعت، کسی قوم اور کسی سوسائٹی کی ہلاکت کا فیصلہ کرتے ہیں تو یہ صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ خوش حال لوگ اپنی بڑھتی ہوئی دولت کے نشے میں فسق کرنے پر اتر آتے ہیں۔ اور ہمارے قانون عذاب کے تقاضے پورے ہونے لگتے ہیں، چنانچہ یہ عذاب وارد ہو جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس سوسائٹی میں دولت کمانے کے ناجائز طریقے چلنے لگیں، اور کبر اور اسراف کے مظاہر ہوں، اور تقسیم دولت میں ناہمواری ہو۔ وہ سوسائٹی ہر لحظہ عذاب الٰہی کی زد پر رہے گی۔ جس اسلام نے اللہ تعالیٰ کے قانون عذاب اور معاشی ناہمواریوں کے اس تعلق کو واضح کیا ہے، وہ یقیناً انسانی سوسائٹی کو تباہی سے بچنے کے راہ نجات بتانے کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ ہر نبی کی نبوت کا، ہر آسمانی کتاب کی ہدایت کا اور ہر اسلامی حکومت کے ذریع دو سائل کا ایک واضح ہدف یہ ہے کہ وہ دولت کمانے اور خرچ کرنے کے طریقوں میں فسق پیدا ہونے میں مانع ہوں تاکہ وہ ناہمواریاں نہ پھیلنے پائیں جو ایک ملک یا مملکت کو تباہی کی طرف لے جاتی ہیں۔

ایمان و اخلاق کی حفاظت کی ذمہ داری

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی جیسے نبی صلعم نے خود بیان فرمایا ہے

[1] "امرنا" کے معنی بعض مفسرین متقدمین نے "کثرنا" کے لفظ سے کئے ہیں، یعنی چند خوش حال لوگوں کی دولت غیر ضروری حد تک بڑھنے لگتی ہے۔

© rasailojaraid.com

نے کہا کہ ابومسلم جو کر رہے ہیں، اسے خوب سمجھتے ہیں، انہیں کہنے دو۔ ابومسلم نے فرمایا "انما انت اجیر استاجرک رب ھٰذہ الغنم لرعایتھا فان ھنأت جربا ھا وداویت مرضاھا وحبست اولا ھا علی اخراھا وفاک سید ھا اجرک الخ" تمہیں خدا نے بکریاں چرانے کے لئے مزدور رکھا ہے اگر تم ان کی صحت اور دوسری ضروریات کا خیال رکھو گے تو ان کا مالک (اللہ) تمہیں پوری مزدوری دے گا اگر تم نے یہ حقوق پورے نہ کئے تو تمہیں سزا ملے گی۔

اسلامی نظام کے مطابق حکومت اعزازی خدمت کا مقام ہے، یہ دولت کمانے اور ثروت کا ذریعہ نہیں۔ اس لئے مسلمان خلفاء کی زندگی فقیرانہ تھی۔ عمر بن عبدالعزیز کے لڑکوں کو ان کی متروکہ جائداد سے پانچ پانچ روپیہ سے بھی کم ملا۔ حضرت عمرؓ کی اپنی زندگی بےحد سادہ تھی، چادر پر چمڑے کے کئی کئی پیوند لگاتے تھے۔ اسلام میں یہ ذمہ داری وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اپنی زندگی مشکلات کے حوالہ کر دیتے اور عوام کے لئے آسانیاں مہیا کرتے ہیں، اس لئے وہاں خیانت، رشوت اور کنبہ پروری کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلامی اخلاق کی موت نے تباہی بپا کر دی ہے۔ صحیح بخاری میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:۔

"قال اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قیل یا رسول اللہ وما اضاعتھا قال وسد الامر الیٰ غیر اھلہ فانتظر الساعۃ" (بخاری) جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کے ضائع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آنحضرت نے فرمایا جب حکومتوں کے ذمہ دار نا اہل لوگ قرار پانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو الخ۔ نالائق قیادت اور نا اہل عمال حکومت فی الحقیقت دنیا میں قیامت بپا کر دیتے ہیں۔ مشرقی پنجاب کے مظالم اور مغربی پنجاب کے لرزہ خیز حوادث کی تہہ میں لیڈروں اور ذمہ دار افسروں کی نا اہلیت کے سوا آخر کیا سبب کام کر رہا تھا؟ اوّل تو انتقال آبادی کا فتنہ خود اکابر کی نالائقی کا نتیجہ تھا، اور اگر یہ ناگزیر تھا تو اسے پُرامن طریق سے کیا جا سکتا تھا، مگر لوٹ کے خواہشمند امن کی آرزو کیوں کرتے؟

حکام کے اخراجات و طریقِ معیشت اسلامی حکومت کے متعلق جو کچھ پہلے ذکر ہوا، اس کی تائید ان اخراجات سے ہوتی ہے جو بجٹ میں خلیفہ کے لئے طے پاتے۔ فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ بیت المال میں خلیفہ کا صرف اتنا حق ہے کہ گرمی اور سردی کے لئے دو چادریں لے لے اور ایک متوسط الحال آدمی کے برابر

اپنے کنبہ اور عیال کا خرچ اسے دے دیا جائے، اس کے علاوہ وہ باقی مسلمانوں کے برابر ہے۔ عہدہ دار ول سے عہد لیتے کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرنا، میدہ اور چپاتی نہ کھانا اور حاجتمندوں پر اپنے دروازے بند نہ کرنا۔

امیر معاویہ کا قول ہے: "ابوبکر لم یرد الدنیا ولم تردہ واما عمر فارادتہ ولم یردھا واما نحن فتمرغنا فیھا ظھرا لبطن" (البدایہ) ابوبکرؓ نہ دنیا چاہتے تھے اور نہ دنیا نے انہیں چاہا، عمرؓ کو دنیا نے پسند کیا لیکن عمرؓ نے دنیا کو ناپسند کر دیا، ہم تو دنیا میں لت پت ہو گئے۔ استغنا کی یہ کیفیت ہے جو اسلامی حکومت کے لئے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور کتنا جامع تجزیہ ہے جو دونوں خلفاء کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

احساس ذمہ داری اور جذبہ خدمت حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "لو ان جملا ھلك بشط الفرات لخشیت ان یسئل اللہ عنہ ابن الخطاب" اگر فرات کے کنارے پر اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ عمرؓ کو اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ طلحہ بن عبداللہ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ ایک رات ایک مکان میں تشریف لے گئے، مجھے بدگمانی ہوئی میں صبح اس مکان میں گیا وہاں ایک اندھی بوڑھی بے دست و پا عورت رہتی تھی، میں نے اس سے پوچھا تمہارے پاس رات کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا یہ شخص مدت سے رات کو آتا ہے، میرا سامان سلیقہ سے رکھ جاتا ہے، مکان صاف کر کے کوڑا باہر ڈال جاتا ہے، طلحہ فرماتے ہیں، میں بہت شرمندہ ہوا کہ میں عمرؓ کے عیب تلاش کرتا ہوں؟

ایک رات حضرت عمرؓ مدینہ کے اطراف میں دوڑ رہے تھے، حضرت علیؓ نے وجہ دریافت کی، فرمایا بیت المال کے کچھ اونٹ گم ہو گئے ان کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے قبیلہ خزاعہ کا رجسٹر نکالا، اس کی بیوہ اور کنواریوں کے نام درج تھے، خلیفہ نے ہر ایک کا وظیفہ اس کے ہاتھ میں دیا۔ فرمایا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ہر علاقہ کا دورہ خود کروں اور مصیبت زدہ لوگوں کی شکایات خود سنوں۔ مجھے گمان ہے کہ حکام تساہل کرتے ہیں اور شکایات مجھ تک نہیں پہنچاتے۔

اسی فرض شناسی اور رعایا پروری کا یہ اثر تھا کہ لوگ حضرت عمرؓ سے بہت ڈرتے تھے "لم یکن عمر یحمل الا الدرۃ وھی عصا صغیرۃ کالمخصرۃ کانت دائما فی یدہ انی سار وکان الناس یھابونھا اکثر مما تخیفھم السیوف" (العاطعمتہ (محاضرات ۲-۲۲) حضرت عمرؓ کا درہ ایک چھوٹی سی چھڑی تھی جو آپ کے

© rasailojaraid.com

کے وہ تمدن کے میدان میں داخل ہوتا ہے۔ ایک شخص کسی کھلے جنگل میں داخل ہو کر جنگلی پھلوں سے جس بے تکلفی سے استفادہ کرتا ہے، وہ بے تکلفی وہ کسی ایسے باغ میں استعمال نہیں کر سکتا جس کے متعلق اسے معلوم ہو جائے، کہ اس کا کوئی مالک ہے۔ یہ محض زاویۂ نظر کا فرق ہے جس نے دونوں مواقع پر طرزِ عمل میں فرق پیدا کر دیا ہے۔ بالکل اسی طرح دنیا اور انسان کے متعلق مختلف اعتقادات مختلف طرزِ عمل پیدا کرتے ہیں۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھنے سے قدرتی طور پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نظام سرمایہ داری کے مفاسد کی اصل جڑیں وہ باطل معتقدات ہیں۔ جنہوں نے دنیا کو مادے کا کرشمہ، انسان کو حیوان، اخلاق کو نفس پرستی، اور تمدن کو انسانی طبقات کا اکھاڑہ قرار دیا ہے۔ بخلاف اس کے اسلام آدمی کو ایک ایسا زاویۂ نظر دیتا ہے، جس سے اس کے طرزِ عمل میں صحیح ذمہ دارانہ پن پیدا ہو جاتا ہے۔

قرآن صحیفۂ فطرت سے اخذ کردہ دلائل کا ایک انبوہ اس سچائی کو واضح کرنے کے لئے جمع کر دیتا ہے کہ کارخانۂ کائنات میں جو نظم، قانون، حسن اور ارتقا پایا جاتا ہے یہ ایک بااختیار خالق، ناظم اور حاکم کا کرشمہ کار ہے۔ اس کارخانے میں مادر پدر آزادی کی کوئی جگہ نہیں۔ چنانچہ وہ دوسری صداقت یہ سامنے لاتا ہے کہ انسان خالق کائنات کا "عبد" "خلیفہ" اور ایجنٹ ہے۔ پھر وہ بتاتا ہے کہ جس طرح دنیا کے تمام موجودات کے لئے ضابطہ کارفرما ہے اسی طرح انسان کو جو شعور و اختیار دیا گیا ہے اس کے استعمال کے لئے بھی ضابطہ ہے، جسے خدا کے انبیا لاتے رہے ہیں۔ پھر وہ بتاتا ہے۔ کہ یہ ارضی زندگی جس دائمی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ اس کے برا یا بھلا ہونے کا دارومدار موجودہ آزمائشی زندگی کے صلاح و فساد پر ہے۔

یہ تصورِ حیات اور عقیدۂ زندگی اس طرزِ عمل کی بنیاد بننے کے لئے قطعاً ناساز گار ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت افرادِ انسانی میں پیدا ہو جاتا ہے۔

<u>نظام معاشیات اور اسلامی عقائد</u>: بنیادی عقیدۂ حیات جسے میں نے بیان کیا ہے، زندگی کے ہر شعبے کے لئے کچھ تفصیلی عقائد بھی مہیا کرتا ہے، چنانچہ اسلامی نظام معیشت میں افراد کی جدوجہد بعض خاص اعتقادی حدود کی پابند رہتی ہے: اور یہ ضروری ہے کہ ان کی طرف اشارہ کر دیا جائے:

۱۔ خدا کی رزاقی —— اسلام نے انسان کو پورا اطمینان دلایا ہے۔ کہ جس خدا نے تجھے پیدا کیا ہے اس نے تیری ضروریات کا انتظام بھی کیا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا "زمین میں حرکت کرنے والا

© rasailojaraid.com

کوئی ایسا جاندار نہیں ہے جس کے رزق کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے نہ لے رکھی ہو۔ پھر فرمایا خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ زمین و آسمان میں جو کچھ پیدا کیا گیا ہے، وہ تمہاری ہی ضروریات پوری کرنے کیلئے ہے۔ دراصل اس عقیدہ کو ذہنوں میں اتارنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں اوچھاپن، کم ظرفی اور اور پھر اس سے بڑھ کر رزق کے لئے ہاتھا پائی کی صورت پیدا نہ ہونے پائے۔ انہیں بھروسہ ہونا چاہئے کہ خزانوں کا ایک مالک خود ان کی ضروریات کی فراہمی کا ضامن ہے۔

۲۔ تفاوتِ رزق میں آزمائش — یہ ظاہر ہے کہ فطرت میں یہ پہلو ہے: اختلاف اور تفاوت کارفرما ہے چنانچہ افرادِ انسانی کی قابلیتوں میں، اپنی صلاحیتوں، جسمانی قوتوں اور پیدائشی اور اکتسابی سہولتوں کے لحاظ سے گوناگوں اختلافات ہیں جو نظام تمدن میں اپنا کام کرتے ہیں۔ صلاحیتوں کا اختلاف جدوجہد میں اور جدوجہد کا تفاوت کمائیوں میں تفاوت پیدا کرتا ہے۔ اس تفاوت کے متعلق قرآن بیان کرتا ہے کہ اس کے ذریعے انسان کو خیر و شر کے ایک امتحان سے دوچار کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی بھلائیوں اور برائیوں کو نمودار کر سکے! فرمایا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ

خدا وہ ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں کی فوقیت اس لئے دی کہ وہ اپنے عطیات کے بارے میں تمہیں جانچے۔

اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کا مدعا یہ ہے کہ تم زمین میں شتر بے مہار بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو، بلکہ تم ہمارے نائب اور ہمارے مقرر کردہ کارندے ہو اور تمہارا کام بے لگامی سے دنیا میں تصرف کرنا نہیں ہے، بلکہ رزق کے حصول و صرف میں ہماری رضا اور ہمارے قانون کو پوری طرح ملحوظ رکھنا ہے۔ ہم نے تم کو جو ذرائع و وسائل اور حصۂ دولت دیا ہے اس کے ذریعے ہم تمہاری آزمائش کرنا چاہتے ہیں کہ تم کیا رویہ اختیار کرتے ہو۔ یہ حصۂ دولت اور یہ ذرائع و وسائل خدا کی اطاعت اور نوعِ انسانی کی خدمت میں صرف ہوتے ہیں یا خدا سے بغاوت کرنے اور اس کے بندوں کو محروم سے محروم تر بنانے میں استعمال ہوتے ہیں۔ زیادہ حصہ پانے والے کا امتحان اس بات میں ہے کہ وہ کم پانے والے کے متعلق اپنی ذمہ داری کو کس حد تک محسوس کرتا ہے۔ اور کم پانے والوں کا امتحان اس بات میں ہے کہ وہ زیادہ پانے کے لئے خدا تعالیٰ کی حدود کو تو نہیں

© rasailojaraid.com

۳- محاسبہ اور جواب طلبی کے تصور سے امتحان کے تصور کی تکمیل کے لئے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ایک دن زندگی کی ساری سرگرمیوں اور معاشی جد وجہد کے سارے ہنگاموں کا باقاعدہ محاسبہ بھی ہونا ہے اور تفاوت رزق نے جو ذمہ داریاں نوعِ انسانی پر ڈال رکھی ہیں۔ ان کے بارے میں جواب طلبی بھی ہونی ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ "لَتُسْـَٔلُنَّ عَنِ النَّعِيْمِ" تم سے ان تمام نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی جو تمہیں تفویض کی گئی تھیں کہ ان کا استعمال کن مقاصد کے لئے کیا گیا۔ اور آیا ان کا حق شکر ادا کیا گیا یا نہیں؟

معتقدات کا جوہر ان سارے معاشیاتی معتقدات کا جوہر ایک آیت میں سمیٹ دیا گیا ہے :-

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ —— وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ

جان لو کہ (خدا اور آخرت سے بے نیاز) دنیوی زندگی ایک کھیل کود ہے ایک سجاوٹ ہے اور تمہاری آپس کی مفاخرت، اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ایک جد وجہد ہے جس کا حال اُس کھیتی کا سا ہے جس کی روئیدگی دہقانوں کا دل لبھاتی ہے پھر وہ شباب پر آتی ہے۔ اور تم اسے پک کر زرد ہوتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اور پھر کسی بلائے ناگہانی سے وہ بھس بن کے رہ جاتی ہے —— اور دوسری طرف، آخرت (کی زندگی) ہے جس میں (کسی کے لئے) عذاب شدید ہوگا (اور کسی کے لئے) اللہ کی رضا و مغفرت ہوگی۔ تو پھر دنیا کی زندگی (کی حقیقت) کیا ہے۔ بجز اس کے کہ دھوکے کی ٹٹی ہے۔ لپکو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی اس جنت کی طرف جس کی وسعتیں ایسی ہیں جیسے آسمان و زمین کی پہنائیاں، اور جسے اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

آیت کا منشا یہ ہے کہ زندگی کا ایک ڈھنگ تو یہ ہے کہ دولت کے کمانے اور معاشی فوقیت کی جدوجہد کرتے ہیں آدمی اپنی نازک ذمہ داریوں سے آنکھیں بند کر کے کھو جائے۔ اس طرز پر جو زندگی کائنات کے مالک و حاکم کے منشا سے آزاد ہو کر اور آخرت کی جواب طلبی سے بے نیاز ہو کر بسر کی جائے گی۔ اس کی حیثیت ایک فصل کی عارضی سرسبزی کی سی ہے جو آخر کار یکایک تباہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ اور کسان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ زندگی بسر کرنے کا دوسرا ڈھنگ یہ ہے کہ آدمی اس دنیا کی سرگرمیوں میں اپنی نگاہیں آخرت کی عدالت کے محاسبہ پر اور اس کے نتیجے میں ملنے والی دوامی زندگی پر جمائے رکھے۔ اس طرز پر جو زندگی استوار ہو گی اس میں مسابقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور اخلاقی ارتقا اور نوع انسانی کی سچی خدمات کی انجام دہی میں ہو گی۔ اسلامی معتقدات اسی طرز زندگی کو ابھارنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرز زندگی اور سرمایہ دارانہ طریق حیات میں نہایت درجہ کھلا تضاد موجود ہے۔

اسلامی عقاید کی تجدید کی ضرورت یہ اسلامی معتقدات جو انسانوں کے معاشی تعلقات پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ مدتوں کی ناسازگاری ماحول کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں میں ٹھٹھر گئے ہیں۔ ان معتقدات کی نہ آبیاری ہوئی۔ نہ ان کی تربیت کا کوئی تسلی بخش انتظام ہو سکا۔ نہ ان کی حفاظت کے لوازم فراہم کئے گئے۔ چنانچہ ان معتقدات کا چرچا باقی ہے۔ لیکن ان میں اتنی جان نہیں رہی کہ یہ افراد کی عملی زندگیوں پر اثر انداز ہو سکیں۔ اب اگر پاکستان میں اسلامی نظام معیشت کو استوار کرنا ہو تو یہاں کی حکومت کو سب سے پہلے اسلامی عقائد کی تجدید پر پورا زور صرف کرنا پڑیگا۔ آج اگر نظام تعلیم، ریڈیو، سینما، لٹریچر اور اخبارات، خطیب اور مقررین، ائمہ مساجد اور سیاسی ورکر ان عقاید کے بحال کرنے کیلئے اور اسلامی نقطہ نگاہ کے احیاء کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جائیں تو وہ تین سال کے اندر ہمارے ملک کی اکثریت کی ذہنیتیں اسلامی سانچے میں ڈھل سکتی ہیں۔

آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ اگر ہمارے معاشرہ کے افراد کی ایک بڑی تعداد اسلام کے معاشی معتقدات کو پوری طرح اپنے اندر پیدا کر لے۔ تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے جونک بننے کی ذلت اختیار کر سکے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے کاروبار کی گاڑی میں گھوڑے اور گدھے کی طرح جوتنے پر تیار ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی گردن پر "تسمہ پا" بن کر سوار ہو۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ دولت مند مسلمان غریب مسلمانوں کو اپنا لقمہ بنانے کے لئے معاشیات کے سمندر میں ماہی گیری کرتے نظر آئیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- تعمیرِ اخلاق

لیکن اسلام عیسائیت کی طرح صرف چند عقاید قبول کرنے کے لئے سفارش کر کے الگ نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کے پورے پورے استحکام کے لئے اور ان کو انسانی زندگی میں مؤثر بنانے کے لئے عباداتِ خمسہ کا تربیتی پروگرام اختیار کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے پیش کردہ عقائد پر افراد کی ایک نئی معاشی سیرت تعمیر کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسلام کی تعمیرِ اخلاق کی اس اسکیم کا آپ کے سامنے تعارف کرا دوں جس کے بغیر اسلام کے معاشی نظام کی امتیان ہو ہی نہیں سکتی۔

زندگی کا اونچا نصب العین: معاشی اخلاق کی تعمیر میں اسلام نے اولین اہمیت اس چیز کو دی ہے کہ وہ مسلم سوسائٹی کے ایک ایک فرد کے سامنے زندگی کا ایک وسیع اور اونچا نصب العین ایسا رکھتا ہے جو اسے معاشی حیوان کے درجے تک نہ گرنے دے اور اس کا جینا کمانے کیلئے نہ ہو۔ بلکہ کمانا جینے کے لئے اور جینا اعلیٰ تر منتہا کے لئے ہو۔ قرآن نے ایک مسلم کی اصل ذمہ داری کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	تم وہ بہترین امت (پارٹی) ہو جسے نوعِ انسانی کی خدمت کے لئے برپا کیا گیا ہے، سو تم بھلائی کا حکم کرنے والے اور برائی کو روکنے والے ہو۔

یہ آیت ہر فرد مسلم کو زندگی بھر کے لئے ایک ڈیوٹی پر مامور کرتی ہے۔ کہ وہ اپنے زیادہ سے زیادہ وقت اور مال اور قوتوں کو نوعِ انسانی کی صلاح و فلاح کے لئے استعمال کرے۔ اس عالمگیر اور دوامی ذمہ داری کا احساس جن لوگوں میں نشو و نما پا لیتا ہے۔ ان کے لئے دولت سمیٹنے سکے گنتے رہنے، اور عیاشی اور تفریحات میں اپنے آپ کو مصروف کر دینے کا کوئی موقع نہیں۔ دراصل یہ اسی اونچے نصب العین کا فقدان ہے جس نے مغربی اقوام میں سرمایہ داری کو نشو و نما دی ہے۔ اور اسی نصب العین کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد ہی ہماری سوسائٹی میں دین سرمایہ داری کو فروغ پانے کا موقع ملا ہے۔ اسلام خدمتِ انسانیت کے مقصدِ اعلیٰ کے لئے ایک ایک مسلم فرد کو ایسا سپاہی بنا دینا چاہتا ہے جو نیکی کی ہر شکل کو غالب کر دینے کے لئے برائی کی ہر شکل سے برسرِ پیکار رہے۔ ان سپاہیوں کو یقیناً اپنی قوتوں کی بحالی کے لئے رزق کی ضرورت ہے: لیکن خیر و شر کی جنگ میں عین مورچے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر آنے کے بعد ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ اپنی ساری توجہ کھانے پینے کے مسائل پر صرف کر دیں۔ خدا کی نیابت و خلافت کی بھاری ذمہ داری کو محسوس کر لینے کے بعد کسی مسلم کے لئے اس کا موقع کہاں کہ وہ اپنی ساری زندگی کو معدے کے محور پر گھما دے۔ اور ایک جانور کی طرح دن رات چارے اور گھاس کے پیچھے پڑا رہے۔

معاشی جدوجہد میں پابندیٔ حدود ایک اونچا نصب العین انسان کے سامنے رکھ دینے کے بعد اسلام اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے۔ کہ ضروریات پوری کرنے کے لئے جو جدوجہد کی جائے۔ اس میں اخلاقی حدود کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا جائے۔ اپنے حصے کا رزق حاصل کرنے کے لئے وہ دوسروں کی حق ماری کرنے سے روکتا ہے۔ اور یہ احساس بیدار کرتا ہے۔ کہ کمائی کی کوشش بھلے طریق سے کی جائے قرآن نے انبیا کو اور ان کی معرفت ہر فرد مسلم کو یہ ہدایت دی ہے۔ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔ یعنی اپنا رزق طیبات تک محدود رکھو۔ اور عمل صالح پر کاربند رہو۔ اسلام کے پورے معاشی فلسفہ کا جوہر ان چند لفظوں میں سمٹ گیا ہے۔ مدعا یہ ہے۔ کہ حصول رزق میں پورا اہتمام اس بات کا ہونا چاہیئے کہ طیبات حاصل ہوں۔ روزی پاکیزہ ہو، ذرائع اور وسائل جائز قسم کے ہوں۔ اور ساری معاشی جدوجہد میں "عمل صالح" کی پابندی کی جائے۔ اس آیت کو نہ جانے کب سے پامال کیا جا رہا ہے اور اس میں جس معاشی اخلاق کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ عملی زندگی سے بے دخل ہو چکا ہے۔ آج رزق اور ذرائع و وسائل طیبات کی جگہ محرمات اور مکروہات پر مشتمل ہیں۔ اور دولت کی ساری قوت عمل صالح کی جگہ مفسدات کے فروغ میں صرف ہو رہی ہے۔ اور اسی نامطلوب حالت کے موجود ہونے کا نام سرمایہ داری ہے۔

نبی صلعم نے قرآن کے اسی مدعا کو "اَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ" کے کلمات میں سمو دیا ہے یعنی حصول رزق کی مساعی میں اخلاقی جمال برقرار رہنا چاہیے۔

اصول کفاف کی ترغیب نبی صلعم نے فرمایا کہ:۔

أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا

فلاح پائی اس نے جو اسلام پر کاربند ہوا اور جس نے رزق کفاف پر گذر کی۔

پھر آنحضور نے خدا سے یہ دعا کی کہ:۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْ آلَ مُحَمَّدٍ كَفَافًا

اے اللہ! آلِ محمد کو رزق کفاف عطا فرما۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رزق کفاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو اتنی روزی حاصل ہو جائے کہ وہ ایک مسلم کی ایمان، اخلاق، اور آبرو سے بھری ہوئی زندگی بسر کرنے کے لئے روزمرہ کی ضروریات کو بخوبی پورا کر سکے۔ اور زائد از ضرورت رزق کو جمع رکھ چھوڑنے سے بے نیاز رہ سکے۔ اوپر فرد کی جو ذمہ داری بیان کی گئی ہے اس کے تقاضے اگر کسی کے پیش نظر ہوں تو وہ رزق کفاف سے زیادہ کمانے کے لئے وقت نکال ہی نہیں سکتا۔ اور نکالے تو عمل صالح کی پابندی کے ساتھ طیبت پر اکتفا کرنے کی صورت میں وہ تجوریاں کو بھرنے کی کوئی مہم لے کے چل ہی نہیں سکتا۔ ایک مسلم فطرۃً مجبور ہے کہ وہ رزق کفاف پر نگاہ جمائے۔ اور معاشی جدوجہد سے جتنا وقت اور جتنی قوتیں بچا سکے وہ خدا کی عظیم تر عبادات کے انجام دینے اور انسانیت کی خدمت میں صرف کر دے۔ لیکن اگر کسی شخص کی قوتیں دولت پیدا کرنے ہی کے لئے خاص ہوں تو اس کے لئے بھی فلاح کا محفوظ ترین راستہ یہی ہے کہ وہ اپنی کمائی میں سے رزق کفاف اپنے لئے رکھ لے اور بقیہ مال کو دوسرے افراد اور معاشرہ اور نظام اسلامی کی خدمت کے لئے صرف کرے۔ اسلامی قانون کا نہ سہی اخلاق کا تقاضا یہی ہے۔

نبی صلعم کے صحابہ کرام کا مسلک یہی تھا کہ وہ حصول رزق پر اول تو توجہ ہی کم سے کم ضروری حد تک دیتے تھے اور اگر اللہ کا فضل "ضروریات" سے زیادہ ہو تا تو اسے اسلام اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرنے کے لئے تیار رکھتے تھے۔ اسی اخلاقی مسلک کو حضرت ابوذرؓ نے قانون کی حیثیت دینی چاہی تھی، لیکن حضرت عثمان نے اخلاقی قانون کو عدالتی قانون بنانے سے بجا طور پر انکار کر دیا تھا۔ تاہم حضرت ابوذرؓ جس مسلک کفاف کے داعی تھے وہ بجائے خود ایک اہم اخلاقی اصول ضرور تھا۔ اور یہ اصول ایک مسلم کے پیش نظر رہنا چاہیے۔

اسلام کو خزانے جمع کرنے اور سکوں کی گنتی کرتے رہنے کی ذہنیت ہی سرے سے نامرغوب ہے چنانچہ قرآن نے جابجا اسے کراہت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ایک جگہ کہا کہ:-

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔۔۔ غفلت میں مبتلا کر دیا ہے تم کو مال بڑھانے کی جدوجہد نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا اترو۔

دوسری جگہ زر پرستانہ کردار کو پیش کیا کہ:-

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِىْ جَمَعَ ۔۔۔ تباہی ہے ہر اس طعن باز عیب چیں کے لئے جس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝

دولت سمیٹی اور پھر اسے گن گن کر رکھا اور سمجھتا یہ ہے کہ اُس کی دولت ہمیشہ اُس کا ساتھ دے گی!

جس معاشی ذہنیت و کردار کو ان آیات میں مکروہ کر کے دکھایا گیا ہے، اسے ترک کرنے کے بعد لازماً اصولِ کفاف ہی کا اخلاقی مسلک باقی رہ جاتا ہے۔ یہ مسلک اگر کسی سوسائٹی میں رائج ہو تو اس میں معاشی ناہمواریوں کا برقرار رہنا ناممکن ہے۔

ترغیبِ انفاق اصولِ کفاف کے اندر دراصل انفاق کا اصول خود شامل ہے۔ اسلام اپنے زیر اثر لوگوں سے بہت ہی شدت سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ وہ غلبۂ دین کے لئے اسلامی حکومت اور اسلامی سوسائٹی کے لئے اور ضرورتمند افراد کی شخصی امداد کے لئے اپنے مال صرف کریں۔ قرآن کی لرزا دینے والی آیات میں سے آیتِ کنز بھی ایک ہے۔ فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

اور جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کر رکھتے ہیں اور اُن کو اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے، اُن کو خوشخبری سنا دیجئے عذابِ الیم کی!

چنانچہ یہ خوشخبری اِن الفاظ میں سنائی گئی:۔

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ

پس سونے چاندی کی ٹکیوں (کو تپا تپا کر اُن) سے اُن کی پیشانیوں اور اُن کے پہلوؤں کو داغا جائے گا۔

پھر اربابِ بخل کے بارے میں فرمایا کہ:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کنجوسوں کے متعلق یہ نہ سمجھو کہ اللہ نے ان کو جو مال دے رکھا ہے وہ ان کیلیے مفید ہے، نہیں وہ ان کے لیے مضر ہے قیامت کے دن اُن کی کنجوسی کا سارا حاصل طوق (طوقِ لعنت)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بناکر ان کی گردنوں میں لٹکایا جائے گا۔

یہ وہ آیات ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کے دلوں کو جھنجھوڑ دیا تھا اور وہ مضطرب ہو کر یہ معلوم کرتے تھے کہ ان کو اپنے مالوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اور یقیناً ان آیات نے دلوں کو اسلام کے ایک اہم حکم کا احساس بھی دلا دیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آیت کنز میں اکتناز کی جو انتہا بیان کی گئی ہے۔ ادائے زکوٰۃ کی صورت میں وہ باقی نہیں رہتی۔ لیکن یاد رہے کہ صرف زکوٰۃ دینے سے حق انفاق ادا نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ تو ایک قانونی مطالبہ ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کے اخلاقی مطالبات بھی ہیں۔ اور ان کو پورا کئے بغیر آدمی کو اپنی عاقبت کے متعلق مطمئن نہیں ہو جانا چاہئے۔ نبی صلعم کی تصریح ہے کہ۔

ان فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ ۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں خدا اور بندوں کے حقوق ہیں۔

ان حقوق کی ادائیگی کے طریقے کو ایک دوسری حدیث واضح کرتی ہے۔ حضرت ابوذر کا بیان ہے۔ کہ نبی صلعم ایک مرتبہ دیوار حرم کے سائے میں تشریف رکھتے تھے اور بیٹھے بیٹھے آپ نے فرمایا۔

"هم الاخسرون" وہ لوگ سخت خسارے میں ہیں سخت خسارے میں ہیں۔ حضرت ابوذر نے پوچھا کون یا رسول اللہ؟ فرمایا جو لوگ مالدار ہو کر دولت کے انبار جمع کر کے رکھتے ہیں۔ ہاں مگر اس کو جو آپ نے اپنے ہاتھوں سے چاروں طرف پھینکنے کا اشارہ کیا۔ [illegible] فرمایا مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ یہ ہے "حقاً سوی الزکوٰۃ" کی حقیقت۔ یعنی دولت زکوٰۃ دینے کے بعد قابل ضبط نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اسلامی نظام حکومت، اسلامی سوسائٹی اور افراد مسلم کی بے شمار ضروریات ان سے ہر وقت مطالبہ کرتی ہیں۔ "انما اقرضوا اللہ قرضاً حسناً"!

احادیث تو یہاں تک لے جاتی ہیں کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کہے گا میں جب ضرورتمند بن کر تمہارے پاس پہنچا تو تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ بندے تعجب سے پوچھیں گے کہ اے اللہ تو کیسے ضرورتمند ہو سکتا ہے؟ خدا فرمائے گا [illegible] میرا فلاں ضرورتمند بندہ [illegible] تم سے [illegible] اس کا مطلب یہی ہے کہ اسلامی حکومت، سوسائٹی اور افراد مسلم کی ہر ضرورت [illegible] خدا تعالیٰ [illegible] ہے۔ اور ان مطالبات کے جواب میں زکوٰۃ دے دینا ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفاقِ "العفو" انفاق کے مطالبات کی وسعت کے پیش نظر صحابہ کی سوسائٹی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا خرچ کیا جائے۔ اور کتنا خرچ کیا جائے، اسی سوال کو قرآن نے دوہرایا کہ "یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ" لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ "قُلِ العفو" (جواب میں کہہ دیجئے کہ "العفو") العفو بچتوں اور فاضلات کو کہتے ہیں، اور انفاق العفو سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد کی بچتوں اور فاضلات کو خدا کی راہ میں اس وقت تک صرف کرنا چاہئے جب تک کہ ان کے مصرف موجود ہوں۔

یہ چیز مسلم ذہنیت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی کہ اسلامی حکومت کا خزانہ دم توڑ رہا ہو۔ یا سوسائٹی کی ضروریات اٹکی ہوئی ہوں، یا مسلمان بیوائیں اور یتیم بچے اور مزدور پیشہ مساکین فاقہ اور بیماری میں مبتلا ہوں۔ اور دوسری طرف روپیہ بچا بچا کے رکھا جا رہا ہو یہی وہ بخل ہے جس کے طوق گلو بننے کی وعید سنائی گئی ہے۔

پھر "العفو" کا دائرہ روپے پیسے غلے اور استعمالی اشیا ہی تک وسیع نہیں ہے، بلکہ اگر کسی شخص کے پاس وقت فاضل ہے۔ دماغی یا جسمانی قوت فاضل ہے۔ تو اسکو اسی کا انفاق کرنا چاہئے چنانچہ نبی صلعم نے فرمایا، کہ صدقہ ہر مسلم پر واجب ہے۔ (مسلم و بخاری) پوچھا گیا، کہ اگر کسی کے پاس کچھ مال ہی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا۔ ہاتھ سے محنت کرکے اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ پھر سوال ہوا، کہ اگر وہ محنت کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر فرمایا محتاج اور مظلوم کی ممکن امداد کرے۔ پوچھا گیا، کہ اگر یہ بات بھی استطاعت سے باہر ہو تو فرمایا نیکی کی نصیحت ہی کرتا رہے۔ پھر پوچھا گیا، کہ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو؟ فرمایا۔ دوسروں کو شر پہنچانے سے باز رہے۔ تو یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے ——— یہاں تک کہ نبی صلعم نے صدقہ کی اصطلاح کو اتنی وسعت دی ہے۔ کہ راستے سے کانٹا ہٹا دینا صدقہ ہے۔ کسی کا بوجھ اٹھوا دینا صدقہ ہے، راستہ بتانا صدقہ ہے۔ صلح کرانا صدقہ ہے۔ مسلمان سے خندہ روئی سے پیش آنا صدقہ ہے۔ مدعا یہ کہ مال وقت اور قوت میں سے جو کچھ بھی "العفو" کی تعریف میں آجائے، اس میں سے جو رتی بھی خدا کی خوشنودی کے لئے بندوں کی خدمت میں صرف کی جائے گی۔ وہ صدقہ ہوگی ——— اور صدقہ اسی وسیع تصور کے ساتھ ہر مسلمان کے لئے لازم کیا گیا ہے۔

صدقہ کی وسعت کا تصور دلانے کے لئے ایک اور حدیث کا حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جسے ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں لیا گیا ہے روایت یوں ہے کہ ایک اعرابی نے آنحضور صلعم سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال کیا کہ مجھے ہجرت کا مسئلہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا تیرا بھلا ہو وہ تو بہت دشوار کام ہے۔ یہ بتا کہ کیا تیرے پاس کوئی اونٹ ہے؟ اعرابی نے عرض کیا جی ہاں اونٹ تو ہیں۔ فرمایا کیا تو اُن میں سے صدقہ زکوٰۃ دیتا ہے؟ اس نے عرض کیا جی دیتا ہوں۔ پھر پوچھا۔ کیا ان میں سے دودھ پینے کے لئے کسی کو عاریۃً کوئی اونٹنی کبھی دیتے ہو؟ وہ بولا جی ہاں دیتا ہوں۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا گھاٹ پر جانے کے دن مسکینوں کو دودھ بانٹتا ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا یہی طرزِ عمل جاری رکھ۔ خدا تعالیٰ تیرے عمل صالح میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہونے دے گا۔

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ صرف صدقہ مفروضہ زکوٰۃ کی ادائی ہی کا مطالبہ نہیں، بلکہ اپنے اموال اور ذرائع و وسائل کے ذریعے ہر طرح کی خدمات عامہ انجام دیتے رہنا مطلوب ہے۔ جیسا نبیؐ نے امت سے یہ چاہا کہ:۔

لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ الْكَلَأَ۔ — فالتو پانی کو نہ روکو کیونکہ اس طرح تم نباتات کی روئیدگی کو روک سکتے ہو۔

وہ یہ کیسے پسند کر سکتا ہے کہ دولت ذرائع و وسائل اور قوائے کارکردگی میں سے "العفو" کو روک کر رکھا جائے۔ اور اس طرح آدمی سوسائٹی کی ضروریات کے پورا ہونے میں رکاوٹ پیدا کرے۔

ماعون دینا صدقہ کی ایک قسم گھریلو استعمال کے آلات مثلاً ترازو، باٹ، چھلنی، چھاج، کلہاڑی، کدال وغیرہ کو مستعار دینا ہے۔ انہیں چیزوں کو "ماعون" کہا گیا ہے۔ اور ان کے بارے میں بخل کرنے کو سورۂ ماعون میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

اسلامی اخلاقیات اور سرمایہ داری اب آپ خود غور کیجئے کہ اگر کسی آبادی کے اکثر افراد میں یہ اسلامی اخلاق پایا جاتا ہو کہ وہ دولت پرستی کے بجائے ایک اونچے اخلاقی نصب العین کے لئے ہمہ تن وقف ہوں۔ ان کی نگاہیں منتہائے کفاف پر مرتکز ہوں اور وہ دونوں ہاتھوں سے انفاق کرتے ہوں اور "العفو" کو دوسروں کی اجتماعی اور انفرادی ضروریات میں صرف کرتے ہوں۔ وہ باہم "ماعون" دیتے ہوں، وہ کاروبار میں اخلاقی حدود کے پابند ہوں تو یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ ان میں سرمایہ داری فروغ پائے؟

کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلامی اخلاقیات آج کہاں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اسلامی سوسائٹی کا نظم ہی کئی صدیوں سے درہم برہم چلا آرہا ہے۔ اور سرے سے عقائد اور عبادات اساسی ہی برقرار نہیں رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ان عقاید و عبادات پر استوار ہونے والے اخلاقیات کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جب سے اب چودہ سے اسلامی نظام کو بہلانے گیا ہے، اس کی جگہ میں اسلام کے اخلاقی تقاضوں کو بھی بہلاتے لگی ہیں۔ پس آج اگر عقائد و عبادات کو بحال کرنے کے لئے کوئی مہم شروع کی جانی چاہئے تو یقیناً اسلام کے ان اخلاقی تقاضوں کو نمایاں کرنے کے لئے بھی ایک تحریک برپا ہونی چاہئے۔ بالکل یہی بات ہے کہ اس اخلاق کے اندر نئے تو کچھ نہیں جا سکتے ہیں، البتہ اس کو قائم رکھنا نہیں ہے۔ مایوسی کا یہ پہلو [illegible] ہوشیار [illegible] سے پیدا کیا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اگر حکومت اور سوسائٹی جمہوریت کے نظام کا مطلوبہ اخلاق پیدا کرنے کے پروگرام بنا سکتی ہے، اگر تعلیم اور نشر و اشاعت کے ذرائع مادہ پرستانہ اخلاقیات کو فروغ دے سکتے ہیں تو خاص اسلام ہی کے اخلاقیات کی بحالی کے لئے وہ کیوں بیکار ہیں؟ یا تو کہئے کہ کسی طرح کا اخلاق بھی تبلیغ، تعلیم اور تربیت کے ذریعے انسانوں میں پیدا نہیں کیا جا سکتا، اور یا پھر تسلیم کیجئے کہ اگر کوئی غیر اسلامی اخلاق پیدا کیا جا سکتا ہے تو اسلامی اخلاق بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ اسلام کے ساتھ ایک طرفہ مایوسی کیوں؟ جس اخلاق کو اسلام نے [illegible] کے ان پڑھ بدوؤں میں پیدا کر کے دکھا دیا تھا، کیا وجہ ہے کہ اسے وہ آج کے زمین اور تعلیم یافتہ انسانوں میں پیدا نہ کر سکے جب کہ آج اسے اعلیٰ سے اعلیٰ ذرائع و وسائل میسر آ سکتے ہیں۔"

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ایک صالح قیادت بر سر عمل ہو اور وہ حکومت کی زمام کار ہاتھ میں لینے کے بعد اس کی ساری قوتوں کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے کا آغاز کر دے۔

۳۔ صالح معاشرہ کی تشکیل

اسلام افراد میں اخلاق کی تعمیر کرنے کے بعد ان کو حالت انتشار میں نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ وہ ان اینٹوں کو جوڑ کر معاشرہ کا ایک ایسا قلعہ تعمیر کرتا ہے جس میں کسی معاشی فساد کے لئے داخل ہونا آسان نہ ہو، اور جس کی فضا میں معاشی امن پوری طرح نشوونما پا سکے۔ انفرادی اخلاق یقیناً ایک قابل قدر نعمت ہے، لیکن اگر اس اخلاق کے تقاضوں کے مطابق معاشرہ کا ماحول تشکیل نہ پائے، تو انفرادی اخلاق آہستہ آہستہ سوکھ جاتا ہے۔ اسلامی نظام حیات کے تحت جہاں افراد میں ایک خاص طرز کی سیرت پیدا کی جاتی ہے، وہاں اسی سیرت کے مطابق ایک صالح سوسائٹی بھی وجود میں لائی جاتی ہے۔ صالح سوسائٹی کی فضا میں افراد کی سیرت کے جوہر پوری طرح کھلتے ہیں، اور اسی مناسبت سے کھلتے ہیں جس

© rasailojaraid.com

تناسب سے کہ معاشرہ کی اجتماعی فضا کو اسلام [illegible] ڈھال لیا گیا ہو۔

معاشی تحفظ کی ترتیب: اسلام اپنے اصولوں پر بنے ہوئے معاشرہ میں افراد کے درمیان ایسی وابستگی اور قربت و محبت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ [illegible] تعاون کرنے والے ایک دوسرے کی مدد کریں۔ ایسے میں سرمایہ دارانہ [illegible] انفرادیت کے تحت ہر فرد [illegible] دوسروں سے کچھ کا لینے کو اپنا کمال سمجھتا ہے اور اپنی کمائی میں بھی خواہشات کے حقوق لے [illegible] دوسروں کے حقوق کا احساس نہیں رکھتا۔ بخلاف اس کے اسلام اپنے معاشرہ میں یہ چاہتا ہے کہ دوسروں سے کوئی بھی زیادتی نہ کی جائے بلکہ دوسروں پر خرچ بھی کیا جائے [illegible] نقصان نہیں پہنچایا بھی جائے اور اسلام [illegible] کے ہر فرد کے [illegible] آزادی حقوق کا احساس ہوتا ہے کہ ایک مسلم اپنی خود [illegible] نفس ہی کا ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے ساتھ مختلف قسم کے تعلقات رکھنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے متعلق بھی بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے۔

یہ احساس حقوق اور شعور ذمہ داری جو اسلام اپنے معاشرہ کے ہر فرد میں پیدا کر دینا چاہتا ہے، اس کے ذریعے تعاون و اخوت کی ایسی فضا تشکیل پاتی ہے جس میں طبقاتی تقسیم اور طبقاتی کشمکش اور اجتماعی تصادم کے پیدا ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔

یہاں ان حقوق کی چند اصولی اقسام بیان کی جاتی ہیں جو اسلامی معاشرہ کے تحت ہر فرد مسلم کے پیش نظر رہتے ہیں۔

حقوق نفس: حقوق کی تقسیم کا سب سے پہلا [illegible] جب ایک فرد کی اپنی ہستی سامنے آتی ہے چنانچہ نبی صلعم فرماتے ہیں کہ: بیشک [illegible] حق ہے [illegible] کے اوپر خود اپنے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ ان حقوق سے اسلام نے رہبانیت کی طرح [illegible] انکار نہیں کیا بلکہ ان کو تسلیم کیا ہے اور ان کے لئے اپنے نظام فکر و عمل میں باقاعدہ جگہ نکالی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ جب تک انسان اپنے نفس کے حقوق کا [illegible] پورا نہیں کرتا وہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ہمیشہ افراط و تفریط سے کام لیتا رہتا ہے۔

ایک فرد مسلم کو بہر حال اپنی زندگی کے [illegible] حقوق زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس سے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ [illegible] کے [illegible] اپنے [illegible] معاشی تقاضا [illegible]

[illegible]

© rasailojaraid.com

بھی کرے، وہ اپنی خود داری رکھے، کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کا شکر آمیز اظہار ہو۔ لیکن دو مفاسد سے پرہیز لازم ہے۔ ایک یہ کہ نفس کے تقاضوں کو اسراف کی حد تک نہ پہنچنے دے۔ دوسرے یہ کہ نفس کو کبر کے مظاہر کا حق نہ دے۔ ورنہ یہ دونوں مفاسد اس کی سیرت کو اسلام کی بنیادوں سے ہٹا کر رہیں گے۔ اور ان کا نتیجہ آخرت میں بہرحال دوزخ ہے۔

<u>حقوق والدین</u> ایک فرد مسلم کے لئے اپنے نفس سے باہر کی دنیا میں اسلام نے حقوق کا سب سے زیادہ بڑا بوجھ اگر کسی کا بتایا ہے تو وہ والدین کے حقوق کا بوجھ ہے۔ سوال ادب و اطاعت ہی کے انتہائی اہتمام کا نہیں بلکہ معاشی طور پر بھی والدین کی پوری پوری خدمت انجام دینے کی ذمہ داری اولاد پر عاید ہوتی ہے۔ دنیا کا یہ وہ اہم ترین رشتہ ہے جس کے حقوق کو پہچاننے سے انسانی زندگی کے سارے حقوق کا شعور ہوتا ہے۔ ماں باپ کی شفقت اور ماں کی محبت کی قدر اگر کسی کے دل میں پیدا نہ ہو سکے، تو پھر نہ وہ خدا تعالیٰ کی بخششوں کا قدر دان ہو سکتا ہے، نہ دوسرے ابنائے نوع کے حقوق کا اسے کوئی احساس ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حقوق کے بعد مخلوق میں سے اسلام نے والدین کے حق کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ معاشی نقطۂ نظر سے اسلام نے اخلاقی حد تک ہی نہیں، بلکہ قانونی صورت پر بھی والدین کو اولاد کے سارے اموال و املاک کا مالک ٹھہرایا ہے۔ انہیں حق دیا ہے کہ اولاد کے اموال میں جو تصرف چاہیں کریں۔

<u>حقوق اہل و عیال</u> حقوق والدین کے بعد دوسرا درجہ اہل و عیال کے حقوق کا ہے۔ بیوی بچوں کا نان و نفقہ یعنی ان کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا اسلام کے قانون کی رو سے واجب ہے ہی، لیکن اگر یہ حق خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے اور اس کی ہدایت کے مطابق ادا کیا جائے تو ہر وہ کوڑی عند اللہ صدقہ شمار ہوتی ہے جو کسی شخص نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کی ہو۔ پھر اہل و عیال کی جائز ضروریات پوری کرنے کے لئے جائز ذرائع سے جو کوشش کی جائے، وہ قطعی طور پر عبادت کی تعریف میں داخل ہے۔ پھر اسلام نے اپنی روح مساوات کو قائم رکھنے کے لئے یہ چاہا ہے کہ ایک مسلم اپنے اہل و عیال پر اپنی آمدنی کے مطابق صرف کرے اور بیوی بچوں کو وہی کچھ کھلائے اور پہنائے جو کچھ کہ وہ کھاتا پہنتا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر سفارش یہاں تک کی گئی ہے کہ ایک آدمی اپنے متعدد بچوں پر مال صرف کرنے میں تفریق نہ کرے۔ ورنہ ان میں اخلاقی مفاسد پیدا ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

حقوق اہل وعیال کے بارے میں احادیث سے یہاں تک اشارات ملتے ہیں کہ اپنے زیر کفالت افراد کی حقیقی ضروریات کو نظر انداز کرکے جو انفاق باہر کیا جاتا ہے اس میں اہل وعیال کی حق ماری پائی جاتی ہے چنانچہ نبی صلعم نے متعدد مواقع پر اپنے زیر تربیت صحابیوں کو یہ تلقین فرمائی کہ جاؤ اور اپنے اہل وعیال پر مال صرف کرو. تمہارے لئے صدقہ یہی ہے اور تمہارے انفاق کے اولیں مستحق تمہارے بیوی بچے ہیں۔ بیوی بچوں کو خستہ حال چھوڑ کر اگر کوئی شخص روپیہ جمع کرتا ہے۔ یا اپنی ذاتی دلچسپیوں پر بے تحاشا اپنی کمائی صرف کرتا ہے. اور اپنی خوش پوشی اور خوش حالی کا مظاہرہ کرتا پھرتا ہے. یا گھروالوں کو بھوکا چھوڑ کر باہر داد و دہش کر رہا ہے۔ تو اس کی روش اسلام کے تقاضوں کے مطابق بہر حال نہیں ہے۔

حقوق ذوی القربیٰ والدین اور اہل وعیال کے بعد قرآن اور حدیث دونوں میں ذوالقربیٰ کے حقوق کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ ایک مسلم ان سے چشم پوشی کرکے اپنی عاقبت کے متعلق کبھی مطمئن نہیں ہوسکتا۔ قرابت داروں کا یہ شرعی حق ہے کہ ایک طرف مسلمان ان کے ایمان واخلاق کے نشوونما کے لئے جو کچھ کرسکتا ہو۔ کرے اور دوسری طرف وہ معاشی پہلو سے جس حد تک امداد کے محتاج ہوں، اُن کو امداد بہم پہنچائے۔

نبی صلعم کے لئے خمس وفئے کا جو حصہ اسلامی اسٹیٹ کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا اس کے ساتھ آپ کے ذوی القربیٰ کا حق بھی شامل کیا تھا چنانچہ نبی صلعم نے اس حق کو عمر بھر اس طرح ادا کیا۔ کہ بالفاظ کتاب الخراج آنحضور اسی مال سے بنو ہاشم کے کنواروں کی شادیاں کرتے تھے، مقروضوں کے قرض ادا کرتے تھے۔ اور فقرا کو بقدر ضرورت عطا کرتے تھے۔ آپ کے اسوہ کے مطابق آپ کے ہر امتی کے لئے لازم ہے۔ کہ اس کی آمدنی جہاں تک کفایت کرے، اپنے رشتہ داروں کی معاشی ضروریات میں ان کا معاون ثابت ہو۔

اگر کسی سوسائٹی میں حقوق ذوی القربیٰ کا احترام پایا جاتا ہو تو ظاہر ہے کہ ایک ضرورتمند شخص کو اپنے رشتہ داروں کے وسیع حلقے میں سے کسی نہ کسی طرف سے مشکل وقت میں امداد بہم پہنچ سکتی ہے۔

حق الجار ذوی القربیٰ کے بعد پڑوسی کے حقوق پر زور دیا گیا ہے۔ انجیل میں دین کے تصور کو ان الفاظ میں سمیٹا گیا ہے۔ کہ تو اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور ساری جان کے ساتھ محبت رکھ اور اپنے پڑوسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خدمت کر۔ یہ جملہ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا جو تصور دلاتا ہے اس میں پڑوسی کے حق کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ احادیث میں ہر مسلمان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں کے جان و مال اور آبرو کا پورا پورا محافظ ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اگر گھر میں کوئی نعمت آئے تو اس کا ایک حصہ پڑوسی کے بچوں کے لئے بھی بھیجا جائے۔ سالن پکے تو پڑوسی کو ہدیہ کرنے کے لئے اس میں گنجائش رکھنی چاہئے۔ پھر ایک حدیث ہم کو یہاں تک لے جاتی ہے کہ اس شخص کا ایمان مشتبہ ہے جس نے خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالیا لیکن اس کا پڑوسی فاقہ میں مبتلا رہا۔

پڑوس کا یہ معاشی حق اصلاً تو دیوار بہ دیوار بسنے کے ہمسایوں کے لئے مخصوص ہے لیکن اس سے محلے اور شہر اور ملک کے ضرورتمندوں کی خدمت کی ذمہ داری کا اشارہ از خود واضح ہوتا ہے۔ پھر پڑوس مسکونت ہی کا نہیں کاروباری قرابت کا پڑوس بھی ہوتا ہے۔ ایک بازار کے دوکاندار، ایک دفتر کے ملازم، ایک کارخانے کے کارندے، ایک گاؤں کے زمیندار اور دہقان باہم پڑوس کا حق بدرجہ اولیٰ رکھتے ہیں۔

یہ حق الجار جس کا شعور و احساس مر جانے کی وجہ سے سرمایہ داری کو نشوونما پانے میں سہولت حاصل ہو گئی ہے اس کو اگر تعمیرِ معاشرہ میں پوری طرح اہمیت دی جائے۔ تو موجودہ ناہمواریوں پر کاری ضرب پڑ سکتی ہے۔

حقوق عامۃ المسلمین: یہ تو خاص قسم کے حقوق ہے جن کے تقاضے بہت وسیع ہیں۔ اسلامی معاشرے میں ایک عام مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر جو حقوق واجب کئے گئے ہیں۔ اگر صرف انہیں کو لے کے دیکھا جائے تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ان حقوق کے احترام کے ساتھ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے طور طریقے بحال رہ سکتے ہیں ایک مسلم کے دوسرے مسلمانوں پر کم سے کم یہ حقوق ہیں:-

(۱) اس کی جان، مال، آبرو کی حفاظت کی جائے۔ (۲) وہ جب ملے اس پر سلام بھیج کر اس کی سلامتی کی دعا کی جائے (۳) اس سے برابر کا برتاؤ کیا جائے۔ (۴) ہمیشہ اس کی بھلائی چاہی جائے (۵) اس کو معروف کی نصیحت کی جائے اور اسے منکر سے روکا جائے (۶) اسے چھینک آئے تو اس کے لئے خدا سے رحم کی دعا کی جائے (۷) بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کی جائے (۸) اسکے جنازے کے ساتھ شرکت کی جائے (۹) اسکے لئے مغفرت کی دعا کی جائے (۱۰) اس کے ہاں موت فوت ہو جائے تو تعزیت کی جائے (۱۱) اسے تحفہ اور ہدیہ دیا جائے (۱۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ دعوت دے تو خوشی قبول کی جائے (۱۲) وہ گھر آئے تو اسے برابر کی نشست پر بٹھایا جائے (۱۳) وہ کھانے کے وقت حاضر ہو تو اسے دسترخوان پر دعوت دی جائے (۱۴) وہ مہمان یا مسافر ہو تو کم سے کم تین دن تک اس کی پوری تواضع کی جائے (۱۵) وہ مشورہ طلب کرے تو اسے نیک مشورہ دیا جائے (۱۶) وہ سائل بن کر آئے تو اس کی ضرورت پوری کر دی جائے ورنہ نرمی سے معذرت کی جائے (۱۷) وہ قرض کا طالب ہو تو اسے قرض حسنہ دیا جائے (۱۸) وہ کسی چیز کا سودا کر رہا ہو تو اس میں مداخلت نہ کی جائے (۱۹) وہ کسی عورت کو نکاح کا پیام بھیجے تو اس کے مقابلے پر نکاح کا پیغام نہ بھیجا جائے (۲۰) اس کے خلاف بدگمانی نہ کی جائے بلکہ حسن ظن سے کام لیا جائے (۲۱) اس کی غیبت نہ کی جائے (۲۲) جہاں تک ہو سکے اس کی غلطیوں کو معاف کیا جائے (۲۳) وہ ظالم ہو تو اسے ظلم سے روکا جائے اور مظلوم ہو تو اسے ظلم سے بچایا جائے (۲۴) وہ کسی سے رنجیدہ ہو تو مصالحت کرا دی جائے (۲۵) اس سے تین روز سے زائد مدت تک قطع تعلق نہ کیا جائے وغیرہ۔

ان سارے حقوق کو سامنے رکھ کر سوچیے اور غور کیجیے کہ یہ حقوق اگر کسی سوسائٹی میں ادا کیے جا رہے ہوں تو کیا وہاں یہ ممکن ہے کہ گروہ بندیاں اور طبقہ بندیاں پیدا ہوں اور ایک طرف سے اکڑ اور کبر و غرور پیش کیا جائے اور دوسری طرف سے بندگی اور غلامی کا مظاہرہ کرنے پر لوگ مجبور ہوں؟ یا کیا یہ ممکن ہے کہ کسی راستے کے کنارے سے نابلدگی کی کیفیت نمودار ہو؟ ہماری موجودہ سوسائٹی تیزی سے سرمایہ دارانہ نظام کی طبقہ بندیوں کی طرف اسی لیے بڑھ رہی ہے کہ اس میں حقوق مسلمہ کا وہ احترام باقی نہیں رہا جو ایک نظام اخوت و مساوات پیدا کرتا ہے۔ اور معاشی ناہمواریوں کو ناقابل برداشت حالت تک پہنچنے نہیں دیتا۔ آج اگر ہمارے کارخانوں کے مالک اور زمیندار لوگوں میں ادائے فرض کا احساس بیدار ہو جائے اور وہ اپنے اجیروں کے سچے خیراندیش، ان پر شفقت کرنے والے، ان کی مصیبتوں میں حصہ لینے والے، ان کی خبرگیری کرنے والے بن کر ان کو ان کی ضرورت کا حق دینے والے بن جائیں تو سرمایہ دارانہ نظام کی معاشی ناہمواریوں کے اثرات بڑی حد تک ختم ہو سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسان اور مزدور کی صرف اجرت ہی نہیں ماری جا رہی ہے بلکہ اس کے وہ مجلسی حقوق بھی پامال ہو رہے ہیں جو اسلام نے اسے دیے تھے، اور اس وجہ سے صورت حالات ناگوار ہو گئی ہے۔

فاقہ صرف مادی ہی کو درپیش نہیں، بلکہ عزت و وقار کا فاقہ بھی درپیش ہے۔ اور ہمارے غربا صرف پیٹ ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بھوکے نہیں ہیں، بلکہ دل و دماغ اور روح کے بھی بھوکے ہیں۔ یہاں قحط صرف سکوں ہی کا درپیش نہیں ہے بلکہ اخوت و مساوات کے جذبہ کا بھی کال ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ یہ امراء و غرباء میں معاشی ہی نہیں، تمدنی اور اخلاقی دوری بھی پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ اس نظام کے تقاضوں نے زندگی اجتماعی صف بندیوں سے ان کو بالکل الگ کر دیا ہے۔ زندگی کے کسی گوشے میں امیر و غریب کا شانہ بشانہ کھڑے ہونا ممکن نہیں رہا۔ دونوں طبقوں کی مجلسیں الگ ہو چکی ہیں، دونوں کی تہذیبیں الگ ہو چکی ہیں، دونوں کے محلے الگ ہو گئے ہیں، گاؤں میں دونوں کی نشستیں جدا جدا ہیں، اور قبرستانوں تک میں دونوں کی قبروں کا نقشہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہ اخوت اسلامی جس کے بارے میں نبی صلعم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتاتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اسلام کا یہ ایسا اعجاز ہے کہ اگر تم اسے پیدا کرنے کے لئے دولت کے انبار بھی صرف کر دیتے تو کامیاب نہ ہو سکتے، اس کا پوری طرح تیا پانچہ ہو چکا ہے۔ اس اخوت کو بحال کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ دونوں طبقوں کی جداگانہ صف بندیاں قائم کر کے معرکہ پیکار گرم کیا جائے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سوسائٹی کو ازسرنو مسلم کی بنیادوں پر دوبارہ استوار کیا جائے جس کا اہتمام دونوں طبقات کے افراد کو ازسرنو ایک صف میں لا کھڑا کرے گا۔ وہ سوسائٹی جس کے ہر ایک ضرورت مند فرد کے بارے میں سب سے پہلے اس کے ذوی القربیٰ کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو، پھر اس کے پڑوسیوں کو اس کی خدمت کے لئے مامور کیا گیا ہو، پھر اسلامی جماعت کے ہر رکن سے اس کی اعانت کا مطالبہ کیا گیا ہو، کیسے ممکن ہے کہ اس میں معاشی احتیاجیں موجود رہیں اور کوئی ان کی خبرگیری نہ کرے۔

ایک بالکل فطری اعتراض کیا جائے گا کہ ایسے صالح معاشرہ کا خواب کیسے شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے؟ اور اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ امراء اپنے فرائض کو ادا کریں گے؟ اس کے جواب میں میں یہ عرض کروں گا کہ اسلامی سوسائٹی بنانے کے لئے اگر دس سال تک اس کے افراد میں اسلامی عقائد کی آبیاری کی جائے، اسلامی عبادات کو ازسرنو قائم کر کے انہیں اسلام کے معاشی اخلاق کی تربیت دی جائے، پھر حکومت پورے وسائل کے ساتھ اہل ثروت میں فیاضی، ہمدردی، پڑوسی نوازی اور عامۃ المسلمین کے حقوق کا احترام پیدا کرنے کی جدوجہد کرے، یہاں تک کہ ہمارے معاشرتی ماحول میں نئی روایات پیدا ہو جائیں، اور ایک بار پھر عامۃ المسلمین کے اخلاقی تقاضوں کی حفاظت ، ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے پیدا ہو جائے، تو بہر حال یہ ناممکن ہے کہ موجودہ تفریق و تقسیم برقرار رہ سکے۔ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے مطالبات کو پورا نہ کرنے والے خوش حال لوگوں کے خلاف جو صرف اپنی انفرادی لذات کے پیچھے پڑے ہیں، ایک جذبۂ نفرت کو بیدار کیا جائے۔ اور ایسے لوگوں کے لئے حکومت اور سوسائٹی کے مختلف میدانوں میں ترقی کرنے کے راستے بند کر دیئے جائیں۔ دولت معیارِ عزت نہ رہے بلکہ فرض شناسی اور اخلاق معیارِ عزت ہو۔ سوال یہ ہے کہ جیسے آج ایک گالیاں بکنے والے، ایک نظرباز اور ایک فقرے کسنے والے کے لئے اگرچہ کوئی قانون فوجداری مزاحم نہیں ہے، لیکن بہر حال کسی مہذب سوسائٹی کے افراد ایسے لوگوں سے دوستی اور مجلس آرائی رکھنے سے اجتناب کرتے ہیں، ان کے پڑوسی بننے سے بچنا چاہتے ہیں، اور ان کے اثرات سے اپنے بچوں کو بچانا چاہتے ہیں، اور کسی کارِ خیر کے لئے ان کو منتخب کرنے پر تیار نہیں ہوتے، اور اس طرح حیاسوز حرکات کے ایک گندا ماحول بننے کو پنپنے سے روک سکتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ اسی طرح ہم اپنے ان امیروں کے طرزِ عمل کو نشوونما پانے سے نہ روک دیں جو اسلامی سوسائٹی کے اعلیٰ اخلاقی مطالبات سے غافل ہو کر محض اپنی دولت میں مگن رہنا چاہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف نہ صرف رائے عامہ ایک تازیانے کا کام دے گی، بلکہ اسلامی نظامِ تعلیم خود اپنے بچوں کو ان کے طرزِ عمل کے خلاف صف آرا کرے گا۔ ایک سوسائٹی اگر اسلامی اخلاق کے تقاضوں کی ہمہ گیری پر تن جائے تو اس کی فضا ایسی تقاضوں سے تغافل کرنے والوں کے لئے بے چین حال ہو جاتا ہے۔ موجودہ نسل کے کچھ امرا اگر اپنی عادات بدلنے کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح آمادہ نہیں ہو سکیں تو بھی ان کی آئندہ نسل کو نئے نقشے پر تیار کیا جا سکتا ہے۔

خود دورِ نبوی میں بھی منافقین موجود تھے جو اسلامی معاشرہ کے اخلاقی تقاضوں سے ہمیشہ گریز کرتے تھے، باہم سازباز کرنا، خفیہ مشورے کرنا، اسلامی حکومت کی کارروائیوں کا مذاق اڑانا، ہر تحریک کو ناکام کر دینا، دشمن کو خبریں پہنچانا، مسلمانوں میں منافرت و رقابت پیدا کرتے رہنا، یہ سب ان کے مشاغل تھے۔ ان کے خلاف کوئی خاص قانونی کارروائی نہیں کی گئی بلکہ صرف صالح رائے عامہ کو ان کے مقابلہ کے لئے استعمال کیا گیا، چنانچہ ان کے لئے مسلم سوسائٹی میں کوئی عزت نہ تھی۔ وہ مسلمانوں میں کبھی اجتماعی ذمہ داریوں اور عہدوں کے لئے منتخب نہ کئے گئے ... کچھ امرا اسی طرح اسلامی اخلاق کو قبول نہ کر سکیں تو ان کے لئے مسلم سوسائٹی میں عزت کا کوئی مقام نہ ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہے وہ کتنے ہی بڑے خزانوں کے سانپ بنے بیٹھے ہوں۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ کوئی اصلاحی اسکیم محض قانون کے دباؤ سے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ لہذا اسلام جو قانونی نظام نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے قیام اور نفاذ اور استحکام کے لیئے بھی یہ ناگزیر ہے کہ اس کی فطرت کے مطابق ایک معاشرہ تعمیر ہو۔ اس معاشرہ میں بالعموم رضاکارانہ طور پر اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنے کا رجحان موجود ہونا چاہیئے۔ پھر جو چند سرکش افراد ان تقاضوں سے انحراف کرنا چاہیں۔ ان سے بالجبر دوسروں کے وہ کم سے کم حقوق وصول کر لیئے جائیں۔ اور ان کم سے کم ذمہ داریوں کو پورا کرالیا جائے جنہیں مسلم سوسائٹی کی فلاح اسلام کا نظام اجتماعی کے استحکام اور امن وعدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اسلام نے قانونی اہمیت دی ہے

۴۔ قانونی ممنوعات۔

قانون نہ افراد کی اصلاح کرتا ہے، نہ تعمیر معاشرہ کا فرض انجام دیتا ہے، بلکہ قانون کا کام صرف مفسدات کو جڑ پکڑنے کے بعد روک دیتا، اور ان کے اثر سے دوسروں کو بچانا ہے۔ قانون کا عمل اثباتی نہیں۔ بلکہ منفی ہے۔ قانون کی حیثیت درحقیقت مطب کی دواؤں کی سی ہے کہ مرض اور اس کی علامات کا مقابلہ کرنے کے لیئے ان سے مدد لی جاتی ہے لیکن کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ صحت وقوت کی تعمیر دواؤں سے ہوتی ہے۔ صحت وقوت کے لیئے تو بہرحال غذا، صفائی، ورزش اور باقاعدگی وغیرہ اسباب سے کام لینا ناگزیر ہے بالکل اسی طرح افراد کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح اور صالح معاشرہ کی تعمیر قانون سے نہیں بلکہ کسی نصب العین اور اصول وعقائد اور اخلاقی اقدار کے لیئے مختلف ذرائع سے تعلیم اور تربیت دینے سے ہوتی ہے۔ قانون صرف اخلاقی فتنہ کے رونما ہوجانے پر اس کو روکنے کے لیئے کام کرتا ہے پس مسئلہ سیاسی ہو یا معاشی بہرحال میں اصل اصلاح وتعمیر تو تعلیم وتربیت اور تزکیۂ فکر وعمل سے ہوتی ہے، قانون صرف غیر اصلاح پذیر عناصر کو نشوونما پانے سے روکنے کا کام کرتا ہے۔ ٹھیک یہی مقام ہے جو اپنی معاشی اصلاح کی اسکیم میں اسلام نے قانون کو دیا ہے۔ اس کے ہاں ایسے قانونی ممنوعات جن کی حیثیت اصولی ہے، صرف گنتی کے پائے جاتے ہیں، لیکن ان ممنوعات کو وہ پوری سختی سے روکتا ہے۔ اور یہ جتنے مختلف روپ بدل کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشیات میں رونما ہوتے ہیں، کسی روپ میں ان کو گوارا کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

یہاں اس کا موقع نہیں ہے کہ اسلامی معاشیات کے منصوص اور فقہی قوانین کی فہرست پیش کی جائے۔ بلکہ مجھے صرف یہ تصور دلانا ہے کہ کن معاشی مفسدات کو روکنے کے لیے اسلام نے قوانین کے جنگلے کھڑے کیے ہیں۔ اسلام کے معاشی قوانین اپنے مقاصد کے لحاظ سے جن قسموں میں بانٹے جا سکتے ہیں، ان میں سے اہم ترین قسمیں یہ ہیں:

(۱) وہ قوانین جو دوسروں کے حق ملکیت میں دخل اندازی کرنے سے روکنے کے لیے ہیں۔

(۲) وہ قوانین جو دولت عامہ پر کسی اجارہ داری اور شخصی ملکیت کے قیام میں مانع ہیں۔

(۳) وہ قوانین جو سوسائٹی کو اخلاقی نقصان پہنچا کر نفع اندوزی کرنے سے باز رکھنے والے ہیں۔

(۴) وہ قوانین جو دولت کو تعیشات میں صرف کرنے سے روکنے کے لیے ہیں۔

(۵) وہ قوانین جو معاشرہ کی حقیقی خدمت کے بغیر زراندوزی کرنے سے روکتے ہیں۔

(۶) وہ قوانین جو ایسے معاملات کی روک تھام کرتے ہیں جن سے جھگڑے پیدا ہوں یا جن میں اصولاً ایک فریق کے نقصان پر دوسرے فریق کے نفع کا دارومدار ہو۔

(۷) وہ قوانین جو کاروباری معاملات کو فریب دہی سے پاک کرنے کے لیے ہیں۔

(۸) وہ قوانین جو لوگوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی صورتوں کی روک تھام کے لیے ہیں۔

(۹) وہ قوانین جو سوسائٹی کی مالی ضروریات کا بار مالدار کے کندھوں پر ڈالتے ہیں۔

(۱۰) وہ قوانین جو دولت اور ذرائع و وسائل کو ایک جگہ سمٹنے سے روکنے اور ان کو پھیلانے اور گردش دینے کے لیے مخصوص ہیں۔

اسلام کا یہ متوازن قانونی نظام صرف اسی صورت میں بہتر کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے جبکہ اس کی بنائی ہوئی اعتقادی اور اخلاقی بنیادوں پر ایک صالح تعمیر ہو۔ ایسے اندر اسلام کے معاشیاتی قوانین ٹھیک وہ کام کرتے ہیں جو کسی مضبوط قلعہ کی برجیوں میں بیٹھے ہوئے دیدبان اور سنتری کرتے ہیں۔ اگر یہ قلعہ جا بجا سے شکستہ ہو اور اس کی دیواروں میں بڑے بڑے رخنے موجود ہوں اور اس کے کواڑ اپنی جگہ چھوڑ چکے ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو جب تک اس کی تعمیر جدید کا سامان نہ کیا جائے محض برجیوں پر بیٹھے ہوئے دیدبان اور سنتری معاشی مفاسد کے لشکروں کو اندر داخل ہونے سے نہیں روک سکتے۔ اسلام کے معاشیاتی ضوابط اتنے وسیع اور دور رس ہیں کہ انہیں اگر ایک صالح معاشرے میں نافذ کیا جائے تو کوئی ایسا چور دروازہ کھلا ہی نہیں رہتا جس سے سرمایہ داری کا شیطان گھس سکے، اور ان قوانین کی روح اگر محفوظ رہے تو ناممکن ہے کہ مسلم سوسائٹی کے اندر معاشی ناہمواریاں رونما ہو کر دولت کی گویا دو پارہ کریں۔ اس قانونی نظام کے اندر یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص اچھی وافر بہتری زندگی بسر کرنے کے لئے اللہ کے خزانۂ رزق میں سے کوئی بڑا حصہ پالے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے ان کے حصوں کے وظائف رزق چھینتا ہوا، اور ان کی حق ماری کرتا ہوا بے جا زندگی کے فارغی اسباب جمع کر سکے۔

(۲)

اب تک میں نے اسلام کی معاشی اسکیم کو علمی نقطۂ نگاہ سے پیش کیا ہے۔ اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسانی معاشروں کو معاشی ناہمواریوں سے بچانے کے لئے اسلام ایک مفصل منصوبہ Plan اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ ایک خاص ذہنیت بناتا ہے۔ ایک خاص طرز کا اخلاق سکھاتا ہے۔ ایک خاص ڈھنگ پر سوسائٹی کی تشکیل کرتا ہے۔ اور پھر ایک خاص قانونی نظام برپا کرتا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اسلام کی جو اسکیم میں نے بیان کی ہے اس کی روشنی میں آپ کو پاکستان کے مختلف معاشی مسائل کے عملی حل کا تصور بھی دلا دوں تاکہ آپ اسلامی نظام کی فوقیت کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ اور سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے مقابلے میں اس کی قدر و قیمت متعین کر سکیں۔

میں اپنی تقریر کے اس دوسرے حصے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرارداد مقاصد کے تقاضوں کے مطابق اب اگر پاکستان کا چارج صحیح اسلامی نظام کو دے دیا جائے تو وہ ہمارے ان کی معاشی ناہمواریوں کو ختم کرنے کے لئے اپنے خاص اصولوں کے تحت کیسی تدابیر اختیار کرے گا۔ اور یہ کہ اسلامی نظام کا نام لینے والوں کی ذمہ داریاں اس بارے میں کیا ہیں؟

چونکہ ہماری معاشرت کا سب سے اہم آج جن معاشی ناہمواریوں سے دوچار ہے ان کے پیدا کرنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف وجوہ میں وہ تمام بڑے بڑے کاروباری مفاسد بھی شامل ہیں جو آج کی مارکیٹ کی رگ رگ میں خون بن کر گردش کر رہے ہیں۔ جب تک ان زہریلے عناصر سے کاروبار کے عروق و اعصاب کو پاک نہ کر لیا جائے ہم معاشی ناہمواریوں کی اصلاح پر کبھی قادر نہیں ہو سکتے۔

ان کاروباری مفاسد میں اولیں اہمیت سود کی ہے۔ ہمارا نظام معیشت سودی نظام معیشت ہے اور سود کا وجود اسلام کی عین نفی ہے۔ سود کو اسلام نے اقتصادی، اخلاقی اور قانونی ہر لحاظ سے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور پھر سود کی حرمت کی نوعیت اتنی شدید بتائی ہے کہ ایک مسلمان سوسائٹی کے لئے سودی نظام معیشت کا جاری رہنا ناقابل برداشت عذاب ثابت ہونا چاہئے۔ قرآن نے سود خواروں کو فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کا پیغام سنایا یعنی خدا اور رسول کی طرف سے سود کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ پھر سود خواری ہی نہیں، بلکہ سودی معاملات کی دستاویزات لکھنے اور حسابات رکھنے کو بھی قابل مواخذہ جرم قرار دیا گیا۔ دوسری طرف حدیث نبوی نے سود کے جرم کا بھاری پن اور اس کے اثرات بد کی وسعت کو واضح کرنے کے لئے یہ حقیقت بیان کی کہ سود خواری کا گناہ ستر مرتبہ کی زنا کاری سے بھی زیادہ شدید ہے۔ حرمت ربوا کی اس نوعیت کو معلوم کر لینے کے بعد نبی صلعم کے صحابہ نے اپنے آپ کو نہ صرف ربوا سے پوری طرح بچایا ہے بلکہ جہاں وہ معاملات جو صریحاً سودی معاملات نہ ہوں لیکن ان میں ربوا کا رنگ یا شائبہ پایا جائے یعنی سودی معاملات سے مشابہت رکھتی ہوں ان سے بھی پوری طرح اجتناب کیا۔

سود کی حرمت کی اس شدت کے محسوس کرنے کے بعد ایک مسلمان کے لئے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ سود کی قسم بندیاں کرے۔ اور پھر اس بات کی فقہی گنجائشیں ڈھونڈے کہ فلاں قسم کا سود اگر حرام ہے تو فلاں قسم کا سود کمانے میں شریعت مانع نہیں ہے۔ لیکن مغالطہ پذیر ذہنوں نے یہ بھی کیا۔ کہا جاتا ہے کہ شخصی سود خواری تو حرام ہے، بینکوں کے سود کو اسلام کیسے حرام قرار دے سکتا ہے جو کاروبار کی ترقی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور جو درحقیقت سود نہیں بلکہ منافع تقسیم کرتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں نہ صرف یہ کہ اسلام کو نہ سمجھنے کی دلیل ہیں، بلکہ جدید معاشیات اور دور حاضر کے بنکنگ سسٹم کو نہ سمجھنے کی گواہی بھی دیتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ بنک کے سود کی ماہیت پر چند باتیں عرض کر دوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنکوں کے سود میں ٹھیک وہی خباثتیں پائی جاتی ہیں جو شخصی سودی معاملات میں ہوتی ہیں؛ اس کا ظاہر بدل جاتا ہے، باطن نہیں بدلتا۔ بنک کے سود کی حقیقت یہ ہے کہ بنک جن لوگوں کے سرمائے سے چلتے ہیں وہ اپنے لاکھوں اور کروڑوں روپے ہر بنک کے کاروبار میں اس معاہدے پر لگاتے ہیں کہ ان کو بہر حال سال کے خاتمے پر اتنے فیصد منافع لازماً ادا کر دیا جائے گا چاہے بنک کو نفع ہو یا نقصان، یا نفع ہو تو کم نفع ہو یا زیادہ۔ اب یہ ظاہر ہے کہ بنک اپنے دفاتر اور ذخائر کے اندر سے تو یہ منافع لازماً سرمایہ داروں کو دے نہیں سکتا اور نہ ان کے جمع کردہ روپے میں نسل کشی کی استعداد موجود ہے۔ بنک بہر حال ایک طرف سے لے کر ہی دوسری طرف دے سکتا ہے۔ چنانچہ کوئی بنک جب اپنا سرمایہ بڑے بڑے کاروباری اداروں اور صنعتی کارخانوں میں لگاتا ہے تو وہ بھی اسی اصول پر شرح منافع پہلے سے طے کر لیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرز پر کاروباری ادارے اور صنعتی کارخانے اپنی مصنوعات اور مال تجارت کی قیمتوں میں سود کی وہ رقم شامل کر دیتے ہیں جو بنکوں کی طرف سے ان کے ذمے آتی ہے۔ یہاں تک کہ سود کی بلا آخر کار ضروریات زندگی کے اس آخری عام گاہک کی جیب پر آپڑتی ہے جو اس کو کسی دوسرے پر پھینک نہیں سکتا۔ یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک ملک کے بنک کئی کروڑ روپیہ سالانہ کی جو رقم منافع کے نام سے اپنے حصہ داروں میں تقسیم کرتے ہیں، وہ اس ملک کے غربا اور عوام ہی کی جیبوں سے غیر محسوس طریق سے نکل کے آتی ہے۔ ایک سودی نظام معیشت کے تحت آپ بازار میں جا کر اگر ایک آنے کی شکر یا تین پیسے کی دیاسلائی بھی خریدتے ہیں تو اس ایک آنے اور تین پیسے میں بھی سرمایہ داروں کا وہ چندہ شامل ہوتا ہے جسے بنک منافع کے نام سے تقسیم کرتے ہیں۔ جس سوسائٹی میں بنکوں کا سود جائز قرار دیا گیا ہو اس میں کسی متقی ترین فرد کے لئے بھی یہ ممکن نہیں رہتا کہ اپنے دامن کو سود کے داغ سے پاک رکھ سکے۔ حرام کمائی کا یہ ہمہ گیر زہر حلال اور پاک اشیا میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔ سودی نظام میں قدرتی طور پر اشیاء کی قیمتوں کے ساتھ سود کا بار شامل ہو کر ان کو بوجھل بنائے رکھتا ہے۔ دوسری طرف ربا کی حیثیت ملک کے چند مالدار افراد کے پاس [illegible] دولت کو ہر طرف سے سمیٹ سمیٹ کر لے آتی ہے اور اس کا نتیجہ خطرناک ناہمواریوں کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔

پس اسلام کے منشا کے مطابق اگر معاشی ناہمواریوں کو ختم کرنا ہو تو بغیر سوسائٹی کو سود سے پاک کئے اس کا کوئی چارہ نہیں۔ سود اگر کتاب و سنت کی رو سے حرام ہے تو اسے پاکستان کی اسلامی ریاست میں قانونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سود بھی حرام ہی ہونا چاہیئے۔

سود کی حرمت کو عملی جامہ پہنانے کا ذکر آتے ہی یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ اگر سود کو قطعی طور پہ ممنوع ٹھہرا دیا جائے تو بنکنگ سسٹم کا سرے سے خاتمہ ہو جائیگا۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ بنکوں کے بغیر آج نہ تجارت چل سکتی ہے۔ اور نہ حکومت کے مالیات کا نظام ہی برقرار رہ سکتا ہے۔

یہ سوال یقیناً ایک وزنی سوال ہے۔ اور آپ کے سامنے جو لوگ سود کی حرمت کا پیغام لا رہے ہیں۔ وہ اس سوال کی اہمیت سے غافل نہیں ہیں۔ لیکن وہ اس کو لاینحل نہیں سمجھتے۔ اور درحقیقت دنیا میں کوئی سوال لاینحل نہیں ہے بشرطیکہ کسی قوم اور حکومت میں اس کے حل کرنے کا سچا عزم موجود ہو۔ ایک ایسا گروہ جو اپنے اصولوں کا محافظ و پاسبان ہوتا ہے وہ ان کو قائم کرنے کے لئے سو راہیں ڈھونڈ نکالتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اپنی دنیا آپ بنانے کا ولولہ موجود ہو اور خودی اتنی زندہ ہو کہ دوسروں کے در پر اصول و افکار کی گداگری کی ذلت کو گوارا نہ کر سکے۔ یہ اوصاف اگر کسی گروہ میں نہیں ہیں۔ تو اس کے لئے اس آسمان کے نیچے حقیقی آزادی نہ پہلے کبھی تھی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی۔

اسلامی نظام معیشت آپ کو ایک نئے بنکنگ سسٹم کے قائم کرنے کے لئے سود کے اصول کے بجائے مضاربت کا اصول مہیا کرتا ہے۔ اصول مضاربت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک طرف کا سرمایہ اور دوسری طرف کی محنت باہم متعاون ہو کر کام کریں اور نتائج میں کسی طے شدہ تناسب کے مطابق دونوں شریک ہو جائیں۔ دوسرے لفظوں میں اصولِ مضاربت کے معنی حصہ داریٔ نفع و نقصان ؎ کے ہیں۔ اس اصول پر اگر بنکوں کو سرمایہ دیا جائے۔ اور اسی

؎ ایک صاحب نے مجھ سے کراچی میں یہ سوال کیا تھا کہ سرمایہ پر سود دیا جائے یا منافع دونوں صورتوں میں واقعہ کی حقیقت میں تو کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ سو جس طرح سود کا بار اشیاء کی قیمتوں پر پڑتا ہے۔ اسی طرح منافع کا بار بھی تو پڑیگا۔ پھر فرق کیا ہوا؟

اس کے جواب میں میں نے ان کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ سود کی مقدار چونکہ پہلے سے طے ہوتی ہے اس لئے وہ مصنوعات کے مصارف تیاری (Cost of Production) میں شامل کر دی جاتی ہے لیکن حصہ داریٔ منافع کے اصول پر جو سرمایہ صنعت میں لگایا گیا ہو۔ اس کی مقدار پہلے سے معلوم نہیں ہوتی اسلئے اشیاء کے مصارف تیاری میں شامل نہیں کیا جا سکتا بلکہ برعکس اس کے مارکیٹ کے رو سے جب کسی سرمایہ پر نفع یا نقصان متعین ہو چکتا ہے تب اس کی تقسیم ہوتی ہے۔ دوسرا فرق اصول سود اور اصول مضاربت میں یہ ہے کہ اول الذکر اصول کے تحت سرمایہ دار نفع تو لے لیتا ہے لیکن نقصان سے صاف بچ کر نکل جاتا ہے۔ لیکن دوسرے اصول کے تحت اگر وہ نفع لے جاتا ہے تو اسے نقصان کا بار بھی بہرحال اٹھانا پڑتا ہے۔ جہاں دو وجوہ سے اصول سود اور اصول مضاربت

© rasailojaraid.com

اصول پر اگر بنک تجارتی اور صنعتی اداروں کو سرمایہ فراہم کریں تو صنعت و تجارت کا سارا انتظام بھی نہایت بہتر طریق سے چل سکتا ہے اور ان کے مالیات کو بھی نئے انداز سے استوار کیا جاسکتا ہے۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر داخلی ضروریات کے لئے اس طرح کا کوئی بنکنگ سسٹم چل بھی نکلے تو بہرحال بین الاقوامی مالی اور تجارتی روابط کے لئے یہ بالکل کارآمد نہیں ہوسکتا۔ ہم اصولِ مضاربت پر نہ بیرونی سرمایہ حاصل کرسکتے ہیں اور نہ اس اصول پر چلنے والے بنکوں کو تجارتِ خارجہ کا وسیلہ بنا سکتے ہیں۔ ہم اس بارے میں یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ کوئی بھی اصول جب تک اپنے گھر میں اختیار کرکے کامیابی کی منزل تک پہنچا نہ دیا جائے۔ اس کے لئے گھر سے باہر کبھی بھی قبولیت حاصل نہیں کی جاسکتی بہرحال ایک نئے بنکنگ سسٹم کو آپ چند سال میں اپنے ہاں پروان چڑھا کر اسے سودی سسٹم سے بہتر ثابت کریں گے۔ اور پھر اس کے حق میں مرعوب کن لٹریچر کی ایک بڑی مقدار دنیا کے ممالک کو فراہم کردیں گے تب کہیں دنیا اس سسٹم پر اعتماد کرسکے گی، اور جب تک یہ منزل نہ آجائے آپ کو اپنے بین الاقوامی مالی و تجارتی روابط میں سود کی آلائش کو اضطراراً گوارا کرنا پڑے گا لیکن جب یہ منزل آجائے گی۔ تو شاید آپ کو وہ دن دیکھنا بھی نصیب ہوگا۔ جب کہ آپ سرمایہ دار ملکوں سے بزور مطالبہ کریں گے کہ جسے ہم سے تجارتی و مالی تعلقات رکھنے ہوں وہ اپنے ہاں غیر سودی بنکنگ کو قائم کرے کیونکہ ہم سودی معاملات سے قطعی طور پر الگ ہوچکے ہیں۔ اور آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ہاں سے تربیت پاکر لوگ جائیں گے۔ اور اپنے ملکوں میں غیر سودی بنکنگ سسٹم کا نیا تجربہ کریں گے اور پوری دنیا پر آپ کا اصولِ مضاربت چھاتا چلا جائیگا۔

اس مہم کے سرکرنے میں جو مشکلات بیان کی جاتی ہیں وہ بہرحال اتنی ضرور ہیں جتنی ہر ملک پرانے نظام کو چھوڑ کر نئے نظام کو برپا کرنے میں پیش آیا کرتی ہیں اور ان کو حل کرنے میں یقیناً عرق ریزی کرنی پڑیگی۔ آپ کے ملک کے علمائے دین اور علمائے معاشیات کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا۔ اور دو طرفہ معلومات کی روشنی میں اصولِ مضاربت پر بنکنگ سسٹم کے قائم کرنے کا منصوبہ تیار کرنا ہوگا پھر اس منصوبہ کے مطابق ابتداء چھوٹے پیمانے پر حکومت اپنی نگرانی میں تجربۃً ایک نیا بنک قائم کریگی جو پھر بتدریج پھیلے گا۔ یہاں تک کہ جب اس کا انتظام چل نکلے گا تو آہستہ آہستہ دوسرے بنک اسی کے مطابق ڈھلنے شروع ہوجائیں گے۔ ان تجربات کے ساتھ ساتھ اسلامی بنکنگ کی نئی سائنس خود بخود ارتقا کریگی اور اس کے لئے لٹریچر مرتب ہوتا جائیگا۔ اور ماہرین فن تیار ہوکر میدان کار میں آتے جائیں گے۔ اس سلسلے میں اولیں اقدام یہی ہے۔ کہ تبدیلی کا فیصلہ کرلیا جائے جس دن ہم سود کے شیطان کو ملک بدر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس دن معاشی ناہمواریوں کی ایک بڑی علت کا خاتمہ ہوجائیگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذخیرہ اندوزی اور سٹہ سود کے بعد دوسرے درجے پر جو فتنہ انگیز خباثت ہمارے کاروبار میں دخیل ہے۔ وہ ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کی ہے۔ موجودہ بگڑے ہوئے نظام کے تاجر عوام کی خدمت کر کے حلال روزی کمانے کے بجائے عوام کو دھوکہ دیکر حرام کمائی کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ان کا طریقہ یہ نہیں کہ جس چیز کی کمی ہو رہی ہو، اسے فراہم کر کے حق الخدمت وصول کریں، بلکہ ان کی روش یہ ہے کہ جو چیز عوام کو آسانی سے مل سکتی ہو، اس کے ذخائر جمع کر کے روک رکھے جائیں۔ اور عوام کو اتنا ترسایا جائے کہ پھر ان کی جیبیں کاٹنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ یہ غیر فطری کمائیاں کرنے کا ایک ایسا ڈھنگ ہے جس کی وجہ سے سوسائٹی میں لازماً معاشی ناہمواریاں فروغ پاتی ہیں۔ موجودہ بنکنگ سسٹم نے اس ذخیرہ اندوزی کے جرم کو پیمانۂ کبیر پر عمل میں لانے کیلئے سہولتیں پیدا کر دی ہیں اور اس جرم کے لئے نقد سرمائے کی تنگ دامانی کو وسعت میں بدل دیا ہے کسی نقد سرمائے کے استعمال کئے بغیر ذخائر اجناس کو قید میں رکھا جا سکتا ہے پھر ان اجناس کے خیالی "بیع خیالی" سودے ہوتے رہتے ہیں اور ہر سودے کا منافع ان کی قیمتوں پر اپنا بوجھ ڈالتا چلا جاتا ہے جو آخر کار عوام کی جیبوں پر جا کے پڑتا ہے پھر بڑے بڑے تاجر جب مل جل کر کاروباری گٹھ جوڑ قائم کر لیتے ہیں اور ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کی پوری فضاؤں پر چھا جاتے ہیں تو پھر منڈی اور کاروبار ان کے بے بس غلام بن جاتے ہیں۔ قیمتیں ان کے اشارۂ ابرو پر ناچتی ہیں چھوٹے تاجر ان کی اجارہ داری کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ حکومت کے مالیات پر بھی یہ ہر طرح کا اثر ڈالنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔

یہ سٹے اور ذخیرہ اندوزی کا نظام لازماً معاشی ناہمواریوں کو ترقی دیتا ہے۔ اور عوام پر بڑے بڑے تاجروں کی [illegible] کمائیوں کا بوجھ بلا واسطہ طور پر ڈالتا ہے۔ اسلام ان دونوں مفاسد کا دشمن ہے اور اس کے نظام معیشت میں کاروبار کو جن اصولوں پر منظم کیا جائیگا ان کے فریم میں ان دونوں سرمایہ دارانہ اصولوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

دوسرے کاروباری مفاسد ان دو بنیادی مفاسد کے علاوہ کاروباری دنیا میں اور بھی بہت سے وجوہِ فتنہ پائے جاتے ہیں اور اسلام ان میں سے کسی کو گوارا نہیں کر سکتا۔ اسلام کے ضابطۂ تجارت میں لین دین اور معاملات کی بہت سی ایسی شکلیں ممنوع ٹھہرائی گئی ہیں جو اجتماعی اخلاق کو بھی نقصان پہنچاتی ہیں اور معاشی ناہمواریوں میں بھی اضافہ کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ان مختلف شکلوں کی تفصیل میں اس تقریر میں نہیں کر سکتا، فقہ کی کتابوں میں معاملات کے کئی باب ان کو محیط ہیں۔ کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ اسلام کے کاروباری ضوابط کے اصول و حِکَم کو پیش نظر رکھ کر دورِ حاضرہ کے کاروبار کے پیچیدہ نظام کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیا جائے اور ان میں جو مفاسد کارفرما ہیں ان کی روک تھام کے لئے اسلامی ذہنیت کے ساتھ جدید فقہ بندی کی جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاگیروں کا محاسبہ: پاکستان میں جن ناہمواریوں کو نہایت شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے، ان میں اکثر و بیشتر وہ ہیں جو دیہات/زراعت سے متعلق ہیں پس پاکستان جیسے زرعی ملک میں زمین کے مسائل اپنے حل کے لئے اولیں توجہ چاہتے ہیں۔ ان مسائل میں سے ایک نمایاں مسئلہ جاگیروں کا ہے۔

اس مسئلہ پہ گفتگو کرنے سے پہلے میں پوری صفائی سے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں، کہ ہم لوگ جاگیروں کے مسئلے کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھنے پر کبھی تیار نہیں ہیں جو عام طور پر فضا میں رائج ہے ہم اس معاملے میں جو کچھ رائے بھی قائم کر سکتے ہیں، اپنے علم کی حد تک اصول کو کتاب و سنت کی ہدایت سے اخذ کرتے ہیں، اور اگر کتاب و سنت کی رو سے ہماری رائے کی غلطی ہم پر واضح کر دی جائے تو بہر لحظہ اس میں ترمیم کرنے کو تیار ہیں۔ اسلام اگر کسی جاگیر کو جاگیر دار کے پاس چھوڑنا چاہے تو چاہے ساری دنیا الٹ کر اس کے سلب کرنے کا فیصلہ کرے، ہم بہرحال اس فیصلہ کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکیں گے، اور اسی طرح اگر اسلام ساری جاگیروں کو جاگیر داروں سے سلب کر کے حکومت کی تحویل میں لانے کا یا کسانوں میں بانٹ دینے کا اشارہ کرے تو چاہے کتنی ہی بڑی طاقتیں اس اشارہ کو جھٹلانے کی کوشش کریں، ہمارے نزدیک یہی اشارہ واجب التعمیل ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اصل مسئلہ کی طرف آیئے۔ نظام جاگیرداری کئی سو سال تک پوری دنیا پہ مسلط رہ چکا ہے اور زمین کے بعض گوشوں میں ابتک اس کا چلن باقی ہے۔ خود پاکستان میں بھی اس کے آثار موجود ہیں۔ اس نظام کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ سلطان وقت یا حکومت اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ملک کے ایسے تمام با اثر اور نمایاں اشخاص کی وفاداریاں خرید لیتی ہے جو اگر تعاون کریں تو سلطنت مستحکم رہتی ہے اور بگڑ جائیں تو تخت کے پائے متزلزل ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی وفاداریوں کی خریداری کے لئے دوسرے مختلف ذرائع کے ساتھ ساتھ جاگیر کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جاتا رہا ہے "جاگیر" صرف ایک قطعۂ زمین ہی نہیں ہوتی، بلکہ اس قطعۂ زمین کے ساتھ کسانوں اور کمیتوں کی ایک بڑی رعیت بھی ہوتی ہے جس کی آزادی اور معیشت کو حکومت ایک با اثر شخص کی وفاداری کی خرید کے لئے داؤ میں لگاتی ہے جاگیر دار حکومت کو فوجی قوت بھی فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور مالی قوت بھی ——— اور اس کے صلے میں وہ اپنے حلقۂ اثر کے افراد انسانی پر خدائی کا حق حاصل کر لیتا ہے۔ اس طرح سے سالہا سال کے مسلسل عمل نے جاگیرداری کے ساتھ نہایت ذلیل اور گھناؤنی روایات وابستہ کر دی ہیں اور جہاں کوئی جاگیر پائی جاتی ہے اس کے ساتھ یہ روایات کسی نہ کسی درجے میں موجود ہوتی ہیں۔

مغلیہ دور حکومت میں جاگیر کی یہ نوعیت بکثرت پائی جاتی تھی لیکن اس کے علاوہ جاگیروں کی ایک قسم داد و دہش اور بخشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صورت میں بھی وجود میں آتی رہی ہے۔ ان دو قسموں کے علاوہ ایک تیسری قسم صلۂ خدمات کی بھی تھی یعنی حکومت بعض مواقع پر نقد تنخواہ یا انعام کے بجائے زمین اپنے کارکنوں کو تفویض کر دیتی تھی۔

انگریزی دورِ حکومت میں نظامِ جاگیرداری اپنی عمر کی آخری منزلوں میں داخل ہو گیا تھا، لیکن پھر بھی پہلے کی بے شمار جاگیریں موجود تھیں اور بحال رہیں۔ اور انگریز حکام نے بھی جاگیر کو وفاداریاں خریدنے کا ذریعہ بنانا اپنے لئے مناسب سمجھا، چنانچہ ایک نظامِ باطل کو عام ہندوستانی باشندوں کے علاوہ خود ملتِ اسلامیہ پر مسلط کرنے کے لئے جاگیروں نے بے شمار لاالٰہ خوانوں کو مجاہد بنا کر انگریز کے سامنے صف آرا کر دیا۔

جاگیرداریوں کی ان نوعیتوں کو سامنے رکھنے کے بعد جب ہم اسلامی نقطۂ نظر سے پیشِ نظر مسئلہ کو سوچتے ہیں، تو ہمیں تاریخِ اسلام سے اس بات کا ثبوت تو ملتا ہے کہ اسلامی حکومت نے اپنے کارندوں کو بعض اوقات معاوضۂ خدمات کے طور پر زمینیں تفویض کی ہیں لیکن ان کے ساتھ جاگیردارانہ نظام کی ناپاک روایات کبھی نہ تھیں اور نہ ان کو اسلامی حکومت نے خدا کے بندوں کے حقِ آزادی، حقِ مساوات اور حقِ معیشت کے سلب کرنے کا ذریعہ بننے دیا ہے لیکن خاص طور پر وہ جاگیریں جن کو ایک نظامِ باطل کے قیام و تسلط کے لئے استعمال کیا گیا ہو اور جن کو تجدید و احیائے دین کی ہر کوشش کو کچلنے اور اسلامی تہذیب کو شکست دینے کے لئے ذریعہ بنا لیا گیا ہو اُن کے بارے میں اسلام سے جواز کا فتویٰ بہر حال نہیں مل سکتا۔ علاوہ ازیں مسئلہ یہ ہے، اسلامی ریاست اور مسلم سوسائٹی کی کسی اجتماعی ملکیت کو شاعروں کے قصیدوں اور بھانڈوں کے لطیفوں پر لٹانے کی اجازت اسلام کے قانون نے کبھی نہیں دی۔ چنانچہ حضرت خالد جیسے چوٹی کے قابلِ اعتماد حاکم نے جب ایک شاعر کو اس کے کلام پر دس ہزار درہم بطور انعام دیئے تو حضرت عمرؓ نے اس پر شدید گرفت کی، مقدمہ چلایا، اور اسی معاملے پر ان کو معزول کر دیا۔

اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ پاکستان میں جو جاگیریں امتِ محمدیؐ کے لاکھوں افراد پر ظلم کرنے کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں اور جن میں سے بیشتر وہ ہیں جو کسی جائز بنیاد پر وجود میں نہیں آئیں، کیا اُن کو سلب کرنے کے لئے اسلام میں کوئی سندِ جواز ہے؟ کوئی صریح آیت یا حدیث یقیناً اس سوال کا دو ٹوک جواب دینے کے لئے موجود نہیں ہے، لیکن اصولاً یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک ظالم حکومت نے اگر پبلک کے اموال و املاک کو ناجائز طور پر لٹایا ہو تو اس حکومت کی جانشین حکومت اس کے فیصلوں کو بدل کر اصلاح کر سکتی ہے۔ پھر خصوصاً معاملہ اگر امتِ مسلمہ کے اجتماعی اموال و املاک کا ہو اور انہیں کسی مسلم یا غیر مسلم حکمران نے اسلام کی ہدایات سے قطع نظر کر کے ظالمانہ طریق پر چند افراد کے تصرف میں بعض حرام مقاصد کے لئے دے دیا ہو تو ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح اسلامی حکومت وجود پاتے ہی سابق حکومت کے غلط تصرفات پر خط تنسیخ کھینچ سکتی ہے ۔

میرے اس دعویٰ پر خلافت راشدہ کے ایک سے زائد عملی نظائر موجود ہیں ۔ اور وہ یہ ہیں کہ :۔

(ا) عراق پر جب اسلامی حکومت کا قبضہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے خاندان شاہی کی ساری جاگیروں کو سلب کر کے اسلامی بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا ۔

(ب) رومی حکومت نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر درباریوں اور فوجی افسروں اور شاہی خاندان کے افراد کی جاگیروں میں بدل دیں اور کچھ کلیسائی معبدوں کے لئے وقف کر دیں حتیٰ کہ مقامی آبادی کے پاس چپہ بھر ملکیتی زمین بھی باقی نہ رہی بلکہ اصل باشندگان ملک خود اپنی زمینوں میں مزارعین بن کے رہ گئے حضرت عمرؓ نے جونہی ان ممالک پر قبضہ کیا ، تمام جاگیرداریوں کو اصل مقامی مالکوں کی طرف لوٹا دیا ، بلکہ مقامی مظلوم باشندوں کی دلجوئی کی خاطر مسلمانوں کو کسی زمین پر قبضہ کرنے یا کسی قطعہ ارضی کے خریدنے سے خاص طور پر روک دیا ۔

(ج) اوپر کی دونوں نظیریں اُن جاگیروں کے متعلق ہیں جو غیر مسلم حکمرانوں نے قائم کی تھیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو خلفائے راشدین کی صف میں شریک ہیں ، ان جاگیروں کے بارے میں بھی ایک قطعی نظیر قائم کر دی ہے جو مسلم حکمرانوں نے غلط مقاصد کے لئے قائم کی ہوں ۔ آپ نے مسند آرائے خلافت ہونے کے بعد پہلا کام یہی کیا کہ تمام جاگیروں کے قبالے مسجد میں مجمع عام کے روبرو طلب کئے ۔ پھر اپنے بیٹے کو پاس بٹھایا جو ایک ایک جاگیرنامے کو پڑھتے جاتے تھے اور حضرت عمرؒ اسے کالعدم قرار دیتے جاتے تھے سب سے پہلے آپ نے اپنی اور اپنے اقربا کی جاگیروں کے قبالوں کو قینچی کے حوالے کیا ، پھر شاہی خاندان کے دوسرے ارکان اور درباریوں کے قبالوں کو پرزے پرزے کیا ، یہاں تک کہ کوئی جاگیرنامہ بھی سلامت نہ رہا ۔ اس کارروائی کو دیکھ کر بعض لوگ تلملائے ۔ اس پر ابن عبدالعزیزؒ نے اُن کو متنبہ کیا کہ خبردار ! اگر میرے راستے میں روڑے اٹکاؤ گے تو میں اس خلافت کو جاما نتہ مجھے سونپی گئی ہے ۔ سے جا کے مدینے کے عوام کے حوالے کر دوں گا ! چنانچہ بڑے بڑے جاگیردار دم بخود ہو کے بیٹھ رہے ۔ ان نظیروں کی روشنی میں ہم کو ان ساری جاگیروں کا محاسبہ کرنا ہو گا جن کے متعلق کا غذات مال و اراضی سے ضروری معلومات مل سکتی ہیں پھر تمام ناجائز قسم کی جاگیروں کے قبالوں پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح قینچی چلانی ہو گی ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت ہی نازک ذمہ داری کا کام ہے اور اسے سرانجام دینے کے لئے حملت دین کا ایک لوڑ جا گیروں کی نوعیتوں اور ان سے تعلق رکھنے والے مسائل پر جب تک خوب اچھی طرح چھان بین کر کے کوئی باقاعدہ پروگرام مرتب کر کے نہ دے محض اندھا دھند کوئی کارروائی نہیں کی جا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتی، کیونکہ یہاں قومی ملکیت کا اصول پیشِ نظر نہیں ہے، بلکہ سوال خدا و رسول کی ہدایت کے اتباع کا ہے۔

بقیہ زمینداریاں، جاگیروں کا مسئلہ اگر صاف ہو جائے تو پھر پاکستان میں بہت تھوڑی سی بڑی زمینداریاں باقی رہ جاتی ہیں جن کو معاشی ناہمواریوں کے پیدا کرنے میں کچھ زیادہ دخل حاصل ہے۔ ان زمینداریوں پر فی الوقت اگر اسلام کے قانون وراثت کا ایک وار ہو جائے تو ان کے چار چار چھ چھ آٹھ آٹھ ٹکڑے ہو سکتے ہیں، اور پھر لمبی زمینداریاں شاید ہی باقی رہ جائیں گی۔ اسلام کے قانون وراثت کا عمل اگر بہت پیچھے سے کرنے کے لئے کوئی فقہی دلیل یا عملی نظیر موجود نہ ہو تو بھی بہرحال آج جو لوگ زمینوں پر قابض ہیں اُن سے قانوناً یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان بننے یا قرار دادِ مقاصد کے پاس ہونے کی تاریخ کو ان کے پاس جو قطعات کسی متوفی کے ترکے میں سے پہنچے ہیں، ان میں سے اپنا جائز شرعی حصہ رکھ کر بقیہ کو دوسرے شرعی وارثوں کے حوالے کر دیں۔ اس طرح بعض بڑی زمینداریوں کی کمر ایک ہی وار میں اور بعض کی آگے چل کے دوسرے وار میں ٹوٹ جائے گی۔

تین سالہ افتادہ زمینیں، فقہ کا ایک قانون یہ ہے کہ اگر کوئی زمین تین سال تک افتادہ اور بنجر پڑی رہے اور اس کا مالک اس کو آباد کرنے سے قاصر رہے تو مسلم سوسائٹی کے ہر فرد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس میں جا کر ہل چلائے اور اسے آباد کرے، اور اس کا مالک قرار دیا جائے۔ اسلامی حکومت کو یہ حق بدرجۂ اولیٰ پہنچتا ہے۔ یہ قانون نبی صلعم کے بعض فرمودات سے ماخوذ ہے اور خود خلافتِ راشدہ میں برسرِ عمل رہ چکا ہے۔ آج بھی اگر اسلامی نظام پاکستان میں قائم ہو تو یہ قانون دوبارہ زندہ ہو کے رہے گا اور پاکستان کے کئی لاکھ ایکڑ کے وہ بنجر رقبے جن سے ان کے مالک کوئی استفادہ نہیں کر سکتے، غریب کسانوں کے لیے مباحِ عام ہوں گے کہ وہ ان پر قابض ہو جائیں، یا اگر حکومت چاہے گی تو ایسے رقبوں پر قابض ہو کر اپنے انتظام سے ان کی آبادکاری کی کوئی اسکیم اختیار کرے گی۔

نجی جنگلات اور چراگاہیں، بہت سی جاگیریں اور زمینیں نجی جنگلات اور چراگاہوں کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں، حالانکہ شرعاً جنگلات اور چراگاہیں صرف خدا تعالیٰ کے لئے وہ اس کی نیابت کرنے والی حکومت کے ذریعے، مخصوص ہو سکتی ہیں، بلکہ کسی شخص کو ذاتی طور پر جنگل اور چراگاہ کو مخصوص اور احاطہ بند کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور قانوناً اس قسم کی احاطہ بندیاں اور قبضوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی فقہ کا یہ قانون بھی بے شمار جنگلات اور چراگاہوں کو خاص ملکیتوں سے نکال کر عوامی ملکیت میں لا سکتا ہے اور معاشی ناہمواریوں کے دور کرنے میں اس سے بہت کافی مدد لی جا سکتی ہے۔

مزارعین کے حقوق، مندرجہ بالا تدابیر کے اختیار کرنے سے زمینداروں کی خدائیاں بڑی حد تک کمزور پڑ جائیں گی، اور مزارعین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس قابل ہو سکیں گے۔ کہ بے نیازانہ طور پر محنت کر کے اپنا حق وصول کریں۔ لیکن پھر بھی مزارعین کو اسلام کے منشا کے مطابق پورے حقوق دلانے کے لیے خاص تدابیر اختیار کئے بغیر کام نہ چلے گا۔

آج ہمارے ہاں کے کاشتکار کی ایک یہی مشکل نہیں ہے۔ کہ وہ پوری محنت کرنے کے باوجود زندگی کی کم سے کم ضروریات تک فراہم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسے زمیندار کی خداوندی کے سامنے ایک ذلیل قسم کی غلامی و عبودیت کی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ ایسے نادرا قسم کے ٹیکس دینے پڑتے ہیں۔ اسے بیگاریں دینی ہوتی ہیں۔ اسے اپنے اسلامی حقوق اخوت و مساوات ہی نہیں۔ عام انسانی شرف و آبرو تک زمیندار کی نذر کرنی پڑتی ہے۔ اسے بیٹھ پر کوڑے کھانے پڑتے ہیں۔ اسے جھوٹے مقدمات میں مبتلا کیا جاتا ہے اسے بلا کسی نوٹس کے یک بینی و دوگوش زمینداری کی حدود سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ اس کی بہو بیٹیوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ اور ان کی عصمتوں سے کھلم کھلا چھیڑ چھاڑ کی جاتی ہے۔ یہ حالات ایسے دردناک ہیں کہ ان کو دیکھ کر بہت سے نوجوان اپنا ذہنی توازن برقرار نہیں رکھ سکتے اور ان کو انصاف کی راہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ زمیندار سے زمین چھین کر انہیں مزارعوں کے حوالے کر دی جائے جن کے لئے وہ ظلم کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔

لیکن ہم ایک مسلم کا ذہنی توازن برقرار رکھتے ہوئے مزارعین کو ان کے جائز حقوق کے واپس دلانے کی جائز تدابیر اختیار کرنے کے پابند ہیں۔ مزارعین کے اسلامی حقوق ان کو واپس دلانے کے لئے اولین ضروری تدبیر یہ ہے کہ معاوضۂ محنت کے لئے اسلام کے اصول کفالت کو قائم کر دیا جائے یعنی جس کی پوری محنت لی جا رہی ہو اس کا کم سے کم معاوضہ اتنا ہونا چاہئے کہ اس کی اور اس کے کنبے کی بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔ زمین کی کاشت سے تعلق رکھنے والے کاموں کے علاوہ کسان سے کوئی دوسرا کام اس کے رضاکارانہ فیصلے کے بغیر یا اسے معقول معاوضہ دیئے بغیر نہ لیا جا سکے۔ مگر کوئی زمیندار اسے پیٹ کرے تو اسلام کے اصول عدل کے مطابق مظلوم کے ہاتھ سے خود اس کو پٹوا دینا اسلامی حکومت پر لازم ہو۔ کسان سے پیداوار کے مقررہ حصے کے سوا کسی قسم کے ٹیکس کی وصولی کا زمیندار کو کوئی حق حاصل نہ رہے۔

علاوہ بریں اس بات کا اہتمام کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمینداروں اور مزارعین کے درمیان سارا معاملہ تحریری ہو اور معاملہ کی ضروری شرائط قلمبند ہو جائیں۔ نیز فریقین کا معاہدہ ایک متعین مدت کے لئے ہو۔ تاکہ ایک کسان ناگہانی طور پر بے دخل کئے جانے کے خطرے سے آزاد ہو سکے!

لہ ایک اسلامی حکومت زمیندار اور کسان میں پیداوار کی تقسیم کا تناسب بغرض اصلاح قانوناً بھی متعین کر سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مادی حقوق کو بحال کرنے کی ان تدابیر کے ساتھ ساتھ مزارعین کے اخلاقی حقوق کو بحال کرنے کے لئے ان میں اسلامی ذہنیت کے پیدا کرنے اور ان کی کچلی پسی ہوئی خودی کو چونکانے کے کام میں ایک عرصے تک تعلیم بالغاں کے مختلف ذرائع سے مدد لینی پڑے گی یہاں تک کہ وہ اپنے شرف کا احساس کریں اور روٹی کمانے کے لئے اپنی عزت میں کسی کمی کو گوارا نہ کریں۔ اس تعلیم و تربیت کی کامیابی صرف اسلامی حکومت کے سائے میں یقینی ہو سکتی ہے، جس کا بیت المال ہر وقت ایسے کسانوں کی کفالت کے لئے تیار رہے گا جن کو اپنے اسلامی حقوق سے ہاتھ دھوئے بغیر روٹی ہاتھ نہ آ سکے۔ لیکن اپنے خداداد اسلامی حقوق میں وہ کوئی کمی کرنے پر راضی نہ ہوں ہمیں اپنے مزارعین کو یہ سکھانا ہوگا کہ وہ زمیندار کو تنے ہوئے قد کے ساتھ مسلمانوں کی طرح السلام علیکم کر سکیں وہ نماز میں کسی جھجک کے بغیر اس کے برابر کھڑے ہو جائیں اور وہ اس کے روبرو برابر سرابر کی ایک آبرومندانہ نشست پر بیٹھ سکیں۔ وہ اس کی غلطیوں پر کھلم کھلا اسے ایک مسلم کی طرح ٹوک سکیں اور احکام خداوندی اور سنت نبوی کی تبلیغ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کر سکیں۔ یہ تربیت اگر حکومت کے ذرائع و وسائل سے ہو تو چند سال میں زمیندار کا نشۂ خدائی ہوا ہو سکتا ہے۔ اور اسے محسوس کرایا جا سکتا ہے۔ کہ آنجناب کا مقام خدا کے بندوں ہی کی صف میں ہے!

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com